قدیم تفسیروں کے نقائص دکھائے ہیں، اور قرآن مجید کے اصل مقصود، اور تفسیروں کی اصل غرض بتا کر فہم قرآن اور تفسیر قرآن کے صحیح اصول بتائے ہیں، لائق مترجم نے تمہید تفسیر قرآن، اور مقدمۂ تفسیر قرآن کے نام سے الگ الگ اس کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے، لیکن یہ دونوں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اور کلام مجید کی تفسیر کا ذوق رکھنے والوں کے مطالعہ کے لائق ہیں، خصوصاً تفسیر کے مدرسین کے لئے ان کا مطالعہ زیادہ مفید اور کارآمد ہے، لیکن ترجمہ بہت ناہموار ہے، اور اس میں زبان و بیان کی بڑی خامیاں ہیں،

ایران پاستان از جناب مولوی خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم تقطیع اوسط ضخامت ۱۵۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں ہے، پتہ:- کتابستان، کراچی۔

اردو میں ایران کی قدیم تاریخ کے متعلق بہت کم معلومات ہیں، اور پروفیسر آرتھر کرسٹن سین کی محققانہ کتاب (L'empire des Sassanides.) کے ترجمہ کے علاوہ جو پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے "ایران بعہد ساسانیان" کے نام سے کیا تھا، اور کوئی قابل ذکر کتاب نہیں ہے، اور یہ دراصل ساسانی عہد کی تاریخ ہے، اس میں قدیم اشکانی اور ہخامنشی خاندان کے حالات برائے نام ہیں، اردو کے مشہور مصنف و مترجم مولوی خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم نے عرصہ ہوا ایران پاستان کے نام سے قدیم ایران کی یہ مختصر تاریخ لکھی تھی، جس کو ان کی وفات کے ایک عرصہ کے بعد اُن کے لائق فرزند پروفیسر نعیم الرحمٰن صاحب نے نظر ثانی کرکے اب شائع کیا ہے، اس میں ایران کا قدیم جغرافیہ، زمانہ ماقبل تاریخ کے حالات، پیش دادی، کیانی، ہخامنشی، اشکانی اور ساسانی خاندانوں کی مختصر سیاسی تاریخ ہے، اور جستہ جستہ مذہبی و انتظامی و تمدنی حالات بھی آگئے ہیں، ایران کی قدیم تاریخ افسانوں میں اس قدر گم ہے کہ پیش دادی اور کیانی خاندان کے تمام حکمرانوں کا اب تک علم نہیں ہو سکا ہے، اس لئے یہ مختصر تاریخ بھی اردو میں غنیمت ہے،

"م"

جلد ۶۴ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۹ء عدد ۵

مضامین

مقالات

ادبیات

باب التقریظ والانتقاد

وفیات

شذرات

دارالمصنفین جس نازک دور سے گذر رہا ہے اس کی تفصیل ان اوراق مین تحریر کیجا چکی ہے اور اخبارات مین بھی شائع ہو چکی ہے، لیکن ابھی اس کا خاطر خواہ نتیجہ نہین نکلا تھا، کہ ایک دوسری بڑی دشواری پیش آگئی، یہ لکھا جا چکا ہے کہ دارالمصنفین کی کتابون کی خریداری زیادہ تر پنجاب دہلی اور حیدرآباد مین تھی، اس لئے ان مقامون کے انقلابات اور اس کے نتائج خصوصاً پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کشمکش کی بندش کا اثر کتابون کی تجارت پر بھی پڑا، تاہم کچھ نہ کچھ کتابین ڈاک کے ذریعہ چلی جاتی تھین، لیکن دونون ملکون کے درمیان سکہ کے اختلاف سے اس کا سلسلہ بھی بالکل بند ہو گیا ہے، اور نہین کہا جا سکتا کہ یہ صورت کب تک قائم رہے گی، اگر ہندوستان کے مسلمانون نے اس کی تلافی کی صورت نہ پیدا کی تو دارالمصنفین کو اور بھی دشواریون کا سامنا کرنا پڑے گا، یہ تنہا دارالمصنفین کی بقا کا مسئلہ نہین بلکہ مسلمانون کی غیرت و حمیت کا امتحان ہے، اس کی امداد کی بہتر شکل اس کی ممبری ہے، جس مین ممبری کی مدت تک رسالہ معارف اور نئی مطبوعات ممبرون کی خدمت مین پیش کیجائین گی، اس طرح دارالمصنفین کی بھی مدد ہو جائے گی، اور ممبرون کو ان کی ممبری کی رقم کا معاوضہ بھی ملجائے گا عام ممبری کی فیس تیس اور خاص کی پچیس روپیہ سالانہ ہے،

کلکتہ کا مشہور اور قدیم عربی مدرسہ عالیہ اگرچہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کی طرح خالص دینی نہ تھا، اور اس کو حکومت چلاتی تھی، اور ایک عرصہ تک اس کے پرنسپل یورپ

تعلیم یافتہ بلکہ انگریز تک ہوتے رہے، تاہم اس کے ذریعہ بنگال مین اسلامی علوم و فنون کی کافی خدمت و اشاعت ہوئی جس سے وہان کے مسلمانون کو بڑا فائدہ پہنچا، قیام پاکستان کے بعد یہ مدرسہ ڈھاکہ منتقل ہو گیا تھا، لیکن مغربی بنگال کے مسلمانون کے لئے پہلے سے بھی زیادہ اس کی ضرورت تھی، اس لئے مولانا ابو الکلام کی کوشش سے دوبارہ یہ مدرسہ قائم ہو گیا ہے، اور ہمارے فاضل دوست مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی اسکے پرنسپل اور مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی صدر مدرس مقرر ہوئے ہین، یہ دونون اصحاب علم کے ساتھ عمل کے زیور سے بھی آراستہ ہین، اس لئے یقین ہے کہ اب یہ مدرسہ اسلامی علوم و فنون کی تعلیم کے ساتھ دین کا بھی مرکز اور اسلامی روح کا مظہر ہوگا،

انگریزی مین لیڈن کی شائع کردہ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، عرصہ سے موجود ہے لیکن اس کے مقالہ نگار زیادہ تر یورپین فضلاء ہین، عرصہ ہوا مصر سے بھی عربی مین ایک دائرۃ المعارف نکلنا شروع ہوئی تھی جو ترجمہ و اضافہ کے ساتھ انگریزی کی اسلامی انسائیکلوپیڈیا سے ماخوذ تھی، ادھر کئی سال سے اس کا کوئی جز نظر سے نہین گذرا، اس سے پہلے الف کا حرف بھی ختم نہین ہوا تھا، اب معلوم نہین کس منزل مین ہے علمائے مغرب کے علمی کمالات سے انکار نہین لیکن ہر قوم اپنی انسائیکلوپیڈیا صحیح نقطہ نظر سے خود ہی لکھ سکتی ہے اس لئے اسلامی انسائیکلوپیڈیا کی ضرورت اب بھی باقی ہے،

لاہور یونیورسٹی کے ایک مراسلہ سے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ اس نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا ہے اور اس کے لئے کمیٹی بھی بن گئی ہے، علمی کمیٹی کے چیرمین لاہور یونیورسٹی وائس چانسلر ڈاکٹر ملک ہین، اور مالی کمیٹی کے کنوینر ہمارے لائق دوست ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کمیٹی کی جانب سے ہندوستان اور بیرون ہند کے مسلمان علماء و مشاہیر کے پاس انسائیکلوپیڈیا کے مباحث کا خاکہ مشورہ کے لئے بھیجا گیا ہے درحقیقت

یہ کام علمی اور مالی دونوں حیثیتوں سے اتنا اہتم بالشان ہے کہ مشرقی ملکوں میں حکومت کی مدد کے بغیر اس کا انجام پانا دشوار ہے، لاہور یونیورسٹی کے پاس ایسے ذرائع ہیں کہ وہ اس کام کو کر سکتی ہے، اگر اس نے اس کو تکمیل تک پہنچا دیا، تو یہ اس کا بڑا علمی کارنامہ ہوگا،

* * *

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ پیر جوان ہمت بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب کی کوشش سے پاکستان میں انجمن ترقی اردو کے سارے کام شروع ہو گئے ہیں، اس کا پندرہ روزہ اخبار قومی زبان پاکستان میں اردو زبان کی ترویج و اشاعت کی جدوجہد میں مصروف ہے، اس کے مشہور رسالے اردو اور معاشیات بھی اپنی تمام خصوصیات کیساتھ جاری ہو گئے ہیں، ایک سائنس باقی رہ گیا ہے، امید ہے کہ وہ بھی دیر سویر نکلے گا، اور پاکستان میں انجمن کی کوششوں کے نتائج جلد ظاہر ہوں گے،

* * *

ہندوستان میں اس کی جانشین انجمن ترقی اردو علی گڈھ کی ایک اطلاع سے معلوم ہوا کہ اسکی جانب سے بھی انجمن کا پرانا اخبار ہماری زبان عنقریب نکلنے والا ہے، گو اب ہندوستان میں اردو کی پرانی حیثیت ختم ہو گئی ہے، اس لئے قدرۃً انجمن کے کاموں اور طریقۂ کار کی نوعیت بھی کچھ بدل جائے گی، لیکن اس نئے دائرہ میں بھی اردو کے تعمیری کاموں کی بڑی گنجایش ہے، ہماری زبان کے اجراء سے اس میں پوری مدد ملے گی، یقین ہے کہ یہ نئی انجمن پرانی انجمن کی علمی اور ادبی روایات کو قائم رکھے گی،

* * *

دار المصنفین نے اکبر نامہ کا ایک نہایت خوشخط مصور اور مطلا نسخہ خریدا ہے، اسکی تقطیع ۱۸×۲۲ انچ اور ضخامت ۸۲۳ صفحات ہے، اس میں اکبر کے مختلف مناظر کے متعدد مرقعے ہیں جو مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہیں، رنگوں کی تازگی کا یہ حال ہے کہ معلوم ہوتا ہے مصور نے ابھی قلم رکھا ہے، لیکن افسوس ہے کہ وہ تمام مہریں اور تحریریں مٹی ہوئی ہیں جن سے زمانۂ کتابت کا پتہ چلتا، مگر خط اور کاغذ دونوں قدیم ہیں، نسخہ کے حسن و نفاست سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بڑے شاہی آمر کے لئے لکھا گیا ہے، عجب کیا ہے کہ اکبر یا جہانگیر ہی کے لئے لکھا گیا ہو،

* * *

مقالات

حضرت خواجہ نصیر الدین محمودؒ
چراغ دہلی

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب، ایم اے

(۲)

شاہی ملازموں کی اصلاح

حضرت چراغ دہلی شاہی ملازمت کو روحانیت کے منافی سمجھتے تھے لیکن شاہی ملازموں میں سے جس کسی کو سچی طلب ہوتی، اس کی اخلاقی، مذہبی اور روحانی حالت کو سنوارنے میں دریغ بھی نہیں فرماتے تھے،

خیر المجالس مجلس ہفتاد و ہشتم میں ہے کہ ایک سید مرید ہونے آیا، وہ شاہی اہل قلم کے زمرہ میں شامل تھا، حضرت چراغ نے اس کو مرید کیا، اور فرمایا نماز با جماعت پڑھا کرو، جمعہ کی نماز فوت نہ ہو، ایام بیض کے روزوں کو لازم جانو، جو شخص ایام بیض کے روزے رکھتا ہے اس کی روزی بڑھتی ہے۔ میرے اور یاروں کو بھی یہ وصیت ہے کہ جو کام خدا اور رسول نے منع کیا ہے، وہ نہ کریں پھر فرمایا دنیا کی دولت میں بے ثباتی ہے، تم یہ خیال کر لو کہ تمہارے پائیگاہ کے گھوڑے تمہارے خدمت گار، تمہارے دینار و درم یہ ساری چیزیں ایک روز تم سے چھوٹ جائیں گی، پھر چھوٹنے والی چیزوں کا فکر اور غم کرنا بے فائدہ ہے، فکر اور غم اس چیز کے لئے کرنا چاہئے، جو ہمیشہ باقی رہے گی، غور سے دیکھو، ہمارے سامنے کتنے تھو

اور کتنے چلے گئے، آخر ہم سے پہلے تھے، اور ہم سے پہلے چل دیئے، پھر اس سید سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو، جواب دیا قرآن مجید پڑھا کرتا ہون، سید کے ایک ہمراہی نے کہا یہ حافظ ہین، اور ان کے والد بھی حافظ اور صالح بزرگ تھے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا اگر کوئی گھر بار اہ مین شب و روز قرآن پڑھتا رہے اور ذکر خدا میں مشغول رہے، تو اس کے لئے نوکری حجاب نہین، وہ صوفی ہے اور اسی کے بعد حضرت سعدی کا یہ شعر پڑھا،

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست　　　کمر بخدمت سلطان ببند صوفی باش

ایک بار ایک عالم نے آکر عرض کیا کہ فلان شاہی سردار (ملک) نے سلام عرض کیا ہے، حضرت چراغ نے پوچھا اس کا کیا حال ہے، عالم نے کہا کہ زر سرکاری کے مطالبہ مین اس کو قید کر دیا گیا ہے، اور اس کو زدو کوب کی جاتی ہے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا شغل دنیا بھی بھل دیتا ہے، اگلے زمانہ مین کام کرنے والے صرف خدا تعالیٰ کے لئے کام انجام دیا کرتے تھے، اور وہ معاملات مین جنید و شبلی ہوتے تھے، [1]

ایک لشکری آیا تو اس کو مخاطب کرکے فرمایا اگر طلب دنیا مین نیت اچھی ہو تو وہ فی الحقیقت طلب آخرت ہے، [2]

سیر الاولیاء (ص ۲۴۴) مین ہے کہ خواجہ قوام الدین حضرت شیخ نصیر الدین کے مرید صادق تھے، شاہی ملازمت مین داخل ہوئے تو کچھ دنون کے بعد کسی الزام مین موقوف کر دیئے گئے، ان پر سخت وقت پڑا، عزیزون اور دوستون کی نظرین ان سے بدل گئین، ضرورت کے وقت اپنی کوئی چیز فروخت کرنے کے لئے بازار جاتے، تو کوئی خریدنے کے لئے تیار نہ ہوتا، اسی پریشانی مین مرشد یاد آئے، چنانچہ وہ حضرت چراغ دہلی کی خدمت مین پہونچے، لیکن وہ اپنا مدعا کہنے بھی نہ پائے تھے، کہ حضرت چراغ دہلی نے یہ قطعہ پڑھا

دنیا چو مقدر است، نخر و شی بہ　　　رزقے تو رسد بوقت کم کوشی بہ

چیزے کہ نمی خرند، نفروشی بہ　　　گفت تو نمی کنند، خاموشی بہ

---

[1] مجلس بست و پنجم [2] مجلس ہشتاد و پنجم،

خواجہ قوام الدین کا خود بیان ہے کہ میرے دل مین جو بات تھی اس کو حضرت خواجہ نے اپنے نور باطن سے اس قطعہ مین ظاہر کر دیا، اور مین نے سر جھکا کر عرض کیا کہ حضرت مخدوم نے جو کچھ فرمایا ہے وہی بندہ کے دل مین ہے، خواجہ قوام الدین کا یہ بھی بیان ہے کہ حضرت مخدوم کی اس کرامت سے میرے دل کو بڑی تقویت پہونچی،

رجوع خلق سے ریاضت مین خلل

رشد و ہدایت کا سلسلہ اتنا بڑھتا گیا کہ حضرت چراغ دہلی کو ریاضت و مجاہدہ مین اگلی سی محنت شاقہ کرنے کے لئے وقت نہ ملتا تھا، خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید شاعر کو ایک روز مخاطب کرکے فرمایا اب مجھ کو خلوت مین عبادت کرنے کی فرصت نہین ملتی، دن بھر اللہ کی مخلوق کے ساتھ رہتا ہون، اکثر قیلولہ بھی میسر نہین آتا، قیلولہ کرنا چاہتا ہون تو لوگ آکر جگا دیتے ہین، کہ فلان آیا ہے، تم لوگون کو فرصت ہے، عبادت مین مشغول رہو، مولانا حمید شاعر نے یہ سن کر عرض کیا، کہ ہر چند جناب کا ظاہر خلق اللہ سے مشغول معلوم ہوتا ہے لیکن باطن شریف ہمیشہ حق سے مشغول رہتا ہے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا رات کو البتہ کچھ ذکر یا وظیفہ ہو جاتا ہے، لیکن دن مین کچھ نہین ہوتا، پھر بھی عنایت ربانی سے ناامید نہین ہون، مولانا حمید شاعر کا بیان ہے کہ یہ بات فرما کر حضرت خواجہ نہایت شکستہ دلی سے رونے لگے، اور پھر یہ شعر پڑھا،

این دلو تہی کہ در چہ انداختہ ام　　　نو امیدیم کہ پر بر آید روزے

حضرت چراغ دہلی کی ذات اقدس سے فیوض و برکات کا چشمہ برابر بہتا رہا، پھر بھی وہ فرماتے کہ مین کس لائق ہون کہ شیخ بنون، اب یہ کام بچون کا کھیل ہو گیا ہے، اور اسی کے ساتھ حضرت سنائی کا یہ شعر پڑھتے،

مسلمانان مسلمانان مسلمانی مسلمانی　　　ازین آئین بے دینان پشیمانی پشیمانی

---

[1] خیر المجالس مجلس دوازدہم [2] اخبار الاخیار ص ۸۷،

شاہی دربار سے تعلقات

معاصر تاریخون مین تو نہین لیکن بعض تذکرون مین ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت چراغ دہلی کو ایذا پہنچانے کی کوشش کی سیر العارفین مین ہے[1]۔

"ایک روز سلطان محمد تغلق نے ابتداء زمانہ سلطنت مین حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو اپنے گھر بلا کر اپنی داہنی جانب بٹھلایا، اور التماس کیا مین خراسان کی طرف جانے والا ہون مجھے منظور ہے کہ تم بھی میرے ہمراہ چلو، یہ سن کر شیخ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ تب بادشاہ نے کہا یہ لفظ انشاء اللہ تعالیٰ کا واسطے تبعید کے واقع ہوا ہے، شیخ نے فرمایا، ہرگز یہ کلمہ کہنے سے کسی کام مین تبعید واقع نہین ہوتی، بلکہ یہ لفظ واسطے تاکید ہے، اس درمیان مین سلطان نے طعام طلب فرمایا، اور یہ قصد کیا کہ اگر شیخ کھا دین تو اُن کو ایذا پہنچاؤن جب دسترخوان بچھایا گیا، حضرت شیخ نے بکراہت تمام کھانا شروع کیا، اس کے بعد سلطان نے کہا یا شیخ مجھے کوئی نصیحت ایسی کیجئے جس پر مین عمل کرون، شیخ نے فرمایا کہ یہ درندون کا سا غصہ جو تمھاری عادت اور طبیعت مین داخل ہے، اس کو چھوڑ دو بعد اس کے سلطان نے ایک بدرہ زر سفید کا اور دو قطعہ صوف سبز اور سیاہ کے شیخ کے پیش نظر کئے، مقصود اس کا یہ تھا کہ شیخ یہ عطیہ خود اٹھا دین لیکن شیخ بالکل متوجہ نہ ہوئے، اسی اثناء مین خواجہ نظام الدین دبیر مقرب خاص سلطانی جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کا مرید تھا، اُس نے حضرت شیخ کے آگے سے وہ صوف اور زر نقد اٹھا لیا، اور کفش شیخ درست کر کے سامنے رکھ دین، جب حضرت شیخ سلطان کی مجلس سے باہر آئے، مقرب سلطانی نے وہ صوف اور زر نقد خادم کے سپرد کیا اور پیشانی اپنی شیخ کے خاک پا پر مل کر رخصت حاصل کی، بادشاہ مقرب نظام الدین پر از حد غیظ و غضب مین ہوا، یہان تک نوبت پہنچی کہ تلوار پر ہاتھ لے گیا، اور ملال ہو کر کہا اے نالک

[1] یہ عبارت سیر العارفین کے ترجمہ کی نقل ہے، ج دوم ص ۴۸،

تیری کیا مجال اور قدرت تھی جو تو نے بدرہ اور صوف شیخ کے سامنے اٹھا کر اُن کی کفشین میرے سامنے لا کر درست کر کے رکھ دین، خواجہ نظام الدین مذکور میانہ قد تھا، اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کا منظور نظر تھا، اور شعر گوئی مین حضرت خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمہ کا شاگرد تھا، فی الفور بادشاہ کو جواب دیا کہ اگر مین اس صوف اور زر نقد کو نہ اٹھاتا تو وہ آپ کے ڈولچہ ہی مین پڑا رہتا، اور شیخ ہرگز اپنا ہاتھ اس پر نہ بڑھاتے، اور کفشون کا درست کر کے رکھنا یہ میرا عین فخر تھا، واللہ اگر اس وقت سلطان عالم مجھ کو قتل بھی فرما دین گے تو مین نہایت خوشنود اور راضی ہون گا، اس واسطے کہ آپ کی ننگ صحبت سے مجھکو قیامت تک کے واسطے خلاصی ہو جائے گی، یہ سب کچھ کہہ گیا اور شیخ کی برکت سے بادشاہ اس کا کچھ نہ کر سکا"

حضرت خواجہ نصیر الدین کی طبیعت بڑی نرم اور میٹھی تھی، اس لئے سلطان کو اُن کا جو اتنا جواب نقل کیا گیا ہے، اُن کی طبیعت اور فطرت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، یہ روایت اس لئے بھی مشکوک معلوم ہوتی ہے کہ یہ تمام باتین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین زرادی کے حالات مین بھی بیان کی جاتی ہین، اخبار الاخیار مین ہے،

"جب محمد تغلق نے دہلی کے لوگون کو دیوگیر بھیجا تو ان ہی دنون یہ چاہا کہ ملک ترکستان اور خراسان کو تسخیر کر کے وہان سے چنگیز خانیون کو نکال دے، شہر کے صدور اور اکابر کو حکم دیا کہ جمع ہون اور ایک بڑا خیمہ نصب کر کے اس کے نیچے اپنے بیٹھنے کے لئے ایک منبر رکھا، تاکہ اس منبر پر لوگون کو جہاد کی ترغیب دے، اسی دن مولانا فخر الدین زرادی، شیخ شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین محمود کو بھی بلایا، خواجہ قطب الدین دبیر جو شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدون مین اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے، مولانا کو

سب سے آگے سلطان کے دربار میں لے گئے، مولانا بارہا فرماتے تھے، میں اپنے سر کو اس مرد کے سامنے پڑا ہوا دیکھتا ہوں، میں اس کی موافقت کرنی نہیں چاہتا، جب سلطان سے مولانا کی ملاقات ہوئی، تو خواجہ قطب الدین دبیر نے مولانا کی جوتیاں اٹھا کر بغل میں لے لیں، اور کھڑے ہو گئے، سلطان نے یہ دیکھ کر کچھ نہ کہا، اور مولانا فخر الدین زرادی سے باتوں میں مشغول ہوا، اس نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ چنگیز خانیوں کو نکال دوں، آپ اس کام میں میرے ساتھ دیں گے، مولانا نے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ، سلطان نے کہا یہ تو کلمہ شک ہے، مولانا نے کہا آنے والی بات کے لئے یہی کہا جاتا ہے، سلطان نے پیچ و تاب کھایا، اور کہا آپ مجھکو نصیحت کیجئے، تاکہ میں اس پر عمل کروں، مولانا نے فرمایا اپنا غیظ و غضب روکو، سلطان نے کہا کونسا غیظ و غضب، مولانا نے کہا وحشیانہ، سلطان کو بڑا غصہ آیا، لیکن اُس نے حکم دیا کہ کھانا لاؤ، جب کھانا لایا گیا تو مولانا نے کراہت کے ساتھ تھوڑا سا کھانا کھایا، جب کھانا ختم ہو چکا تو ان بزرگوں کو جو وہاں موجود تھے، ایک ایک جامہ صوف اور ایک ایک بدرہ سیم پیش کیا گیا، شیخ نصیر الدین محمود اور مولانا شمس الدین یحییٰ اور دوسرے بزرگ جیسا کہ مشہور ہے، ان چیزوں کو ہاتھوں میں لے کر باہر نکلے، لیکن مولانا فخر الدین کے جامہ و سیم کو خواجہ قطب الدین دبیر نے خود لے لیا، وہ جانتے تھے، کہ مولانا نہیں لیں گے، اور اُن کی ہتک ہو گی، جب یہ تمام بزرگ واپس گئے تو سلطان محمد نے خواجہ قطب الدین دبیر سے کہا اے فریبی، بدبخت! تو نے یہ کیا حرکت کی کہ فخر الدین زرادی کو میری تلوار سے خلاصی دلا دی، خواجہ قطب الدین نے کہا وہ میرے استاد ہیں اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں، مجھ پر لازم تھا کہ میں اُن کا ادب کرتا، سلطان نے کہا، ایسے کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو، ورنہ تجھ کو مار ڈالوں گا، خواجہ قطب الدین نے کہا زہے قسمت کہ میں اپنے مخدوم کی خاطر مارا جاؤں (ص ۸۶-۸۵)

اسی اخبار الاخیار میں سلطان محمد تغلق اور حضرت خواجہ نصیر الدین کے ناخوشگوار تعلقات کا جو ذکر ہے، وہ سیر العارفین کے بیانات سے مختلف ہے، ملاحظہ ہو:۔

"بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمد تغلق حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو اُن کے کمالات کے باوجود ایذائیں دیتا، اور اپنے ساتھ سفر میں لیجاتا، کہتے ہیں کہ سلطان نے ان کا اپنا جامہ دار مقرر کیا تھا، وہ ان تمام باتوں کو اپنے پیر کی وصیت کے مطابق برداشت کرتے، اور دم نہ مارتے تھے، ایک دفعہ سلطان محمد تغلق نے شیخ نصیر الدین محمود کے لئے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا بھیجا، مقصد صرف تکلیف پہنچانا تھا، کہ اگر وہ کھانا نہ کھائیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں نہیں کھایا، اور اگر کھا لیا، تو سوال کیا جائے گا، کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھا کر خلاف شرع کام کیوں کیا، جب کھانا شیخ کے سامنے پیش کیا گیا تو کچھ نہ بولے، لیکن سونے کے پیالہ سے کچھ یخنی نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھی، اور پھر اس کو چکھا، دشمن ناکام واپس ہوئے، (ص ۷۵)

تاریخ فرشتہ میں تو بعض ایسی عجیب و غریب باتیں ہیں جو اور تذکروں میں نہیں ہیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"بادشاہ محمد تغلق شاہ اپنے قتل و خون کی وجہ سے خونی کہلاتا تھا، اس کو درویشوں سے بھی سوء ظن تھا، چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ تمام درویش خدمت گاروں کی طرح اس کی خدمت کریں، ایک اس کو پان کھلائیں، ایک اس کی دستار باندھیں، اسی طرح بہت سے مشائخ کو مختلف کاموں کے لئے مقرر کیا، شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی کو کپڑا پہنانے پر مامور کیا، لیکن انھوں نے اس خدمت کو انجام دینے سے انکار کیا، سلطان کو غصہ آیا، اور ان کو قید کر دیا، شیخ کو اپنے پیر شیخ نظام الدین اولیاء کی

بات یاد آئی، اور وہ مجبوراً سلطان کی خدمت کرنے پر راضی ہوگئے، قید سے اُن کو نجات ملی،

اسی مدت میں سلطان کو طرح طرح کے جھگڑے پیش آئے، اور اس کی موت جلد ہوگئی جس سے خدا کے بندوں کو نجات ہوئی، (تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۹)

حضرت چراغ دہلی کے پیر بھائی خواجہ سید مبارک امیر خورد اپنی تصنیف سیر الاولیاء میں حضرت چراغ دہلی اور سلطان کے تعلقات کا ذکر اس مختصر طریقہ پر کرتے ہیں،

"سلطان محمد تغلق نے جس نے ملک ہندوستان کے طول و عرض کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا، شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ کو جن کو تمام عالم بالاتفاق شیخ عصر تسلیم کرتا تھا، اور جن کے بہت سے لوگ مرید تھے، ایذائیں پہونچائیں، لیکن شیخ نصیر الدین محمودؒ نے اپنے پیروں کے اتباع میں تمام باتوں کو برداشت کیا، اور بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی، بادشاہ نے اپنی عمر کے آخری زمانہ میں ٹھٹھہ کی مہم پر گیا، جو شہر دہلی سے ہزار کروہ پر واقع تھا، وہاں پہنچ کر شیخ نصیر الدین محمود کو علما، اور بزرگان دین کے ساتھ طلب کیا، اور بیجا طور پر ان کا احترام نہیں کیا، ان لوگوں نے تحمل سے کام لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اس کو تخت سلطنت سے اُتار کر تختۂ تابوت پر شہر لائے، شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو اس بادشاہ نے ایذا کیوں پہنچائی، تو انھوں نے فرمایا کہ یہ معاملہ میرے اور حق جل و علیٰ کے درمیان تھا، اس کو اسی طرح میں نے برداشت کیا (ص ۲۴۴-۲۴۵)

تعجب ہو کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت شیخ نصیر الدین کو ایذائیں دیں، کیونکہ اس کو خود سلسلۂ چشتیہ میں حضرت شیخ علاء الدین نبیرۂ حضرت شیخ فرید الدینؒ سے ارادت تھی، اس کے علاوہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا بھی معتقد رہا، ایک روایت کے مطابق آپ کے جنازہ کو کاندھا بھی دیا، حضرت خواجہ صاحب کے روضۂ مبارک کی عمارت اسی نے بنوائی، (سیر الاولیاء ص ۱۵۴) ایسی

حالت میں اُن کے جانشین کو ایذا دینا موجب حیرت ہو، اس کو اولیاء اللہ سے عقیدت بھی تھی، چنانچہ حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے لئے زبردستی خانقاہ بنوائی، اور ان کو جاگیر دی،

اسی طرح حضرت شیخ رکن الدین کی وفات کے بعد اُن کے مزار کے پاس ایک خانقاہ تعمیر کی، اور اس کے لئے کچھ گاؤں وقف کئے (الدر المنظوم ملفوظات حضرت جہانیان جہان گشت اردو ترجمہ ص ۵۲۵)

اوپر کے اقتباسات سے بھی ظاہر ہوگا کہ دربار میں بزرگان دین آتے، تو ان کو خلعت اور منصب بھی دیتا، حضرت برہان الدین غریب سے اس کی خوش عقیدگی کا ذکر پہلے گذر چکا ہے، اسی طرح اُس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک دوسرے خلیفہ شیخ قطب الدین منور سے بھی اپنی عقیدت کا اظہار کیا، ان کے پاس چند گانوں کا فرمان قاضی کمال الدین صدر جہاں کے معرفت بھیجا، لیکن انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا میرے خواجگان ایسی چیزوں کو قبول نہیں کرتے تھے، ان گاؤں کے جو طالب ہوں ان ہی کو دو، سلطان محمد تغلق ایک موقع پر ہانسی گیا، یہاں حضرت قطب الدین کی خانقاہ تھی، لیکن سلطان ان سے مل نہ سکا تو ان کو دہلی آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ بادل ناخواستہ دہلی تشریف لے گئے، اور جب دربار میں پہنچے، تو اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے،

"چون سلطان ...... شیخ را دید طاقت نیاورد، بہ تعظیم تمام پیش آمد و مصافحہ کرد،

سلطان پر شیخ کا ایسا رعب طاری ہوا، کہ وہ ان کا بیحد معتقد ہوگیا، اور عرض کیا کہ میں جب آپ کے شہر میں حاضر ہوا تو آپ نے کچھ تربیت نہیں فرمائی، اور نہ اپنی ملاقات کا شرف بخشا، شیخ نے فرمایا پہلے ہانسی کو دیکھو پھر درویش بچہ ہانسی کو، یہ درویش اپنے کو اس لائق نہیں سمجھتا ہے کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے، ایک گوشہ میں بیٹھا بادشاہوں اور تمام اہل اسلام کے لئے دعائیں کرتا رہتا ہے، اس کو معذور رکھنا چاہئے، سلطان اس بات سے متاثر ہوا، اور شہزادہ فیروز سے جو اس وقت موجود تھا کہا،

"آنچنان کہ مقصود شیخ است ہمچنان کنید،

شیخ نے فرمایا میرا مقصود فقرا در باپ دادا کا گوشہ ہے، جب شیخ سلطان کے یہان سے واپس تشریف لے گئے، تو اس نے شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکہ دیکر ان کے پاس بھیجا، شیخ نے اتنی بڑی رقم دیکھکر فرمایا، یہ درویش ایک لاکھ تنکے لیکر کیا کرے گا، شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی سلطان کے پاس واپس گئے، سلطان نے پچاس ہزار تنکے دیکر پھر دونون کو بھیجا، شیخ نے اُن کو بھی قبول نہین کیا، بالآخر دو ہزار تنکے بھیجے گئے، لیکن ان کو بھی قبول نہین کیا، اور فرمایا درویش کے لئے دو سیر کھچڑی اور ایک سیر روغن کافی ہے، دو ہزار دن لے کر کیا کرے گا، لیکن جب شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی نے بہت اصرار کیا تو دو ہزار کی رقم لیلی، کچھ تو مرشد کے مزار کے لئے محفوظ رکھی، اور بقیہ فقرا مین تقسیم کردی،

مذکورۂ بالا واقعات کا ذکر کرتے ہوئے تذکرہ نویس لکھتے ہین کہ سلطان نے یہ تمام باتین حضرت شیخ قطب الدین منور کو ایذا دینے کے لئے کین[1]، جو بظاہر قرین قیاس نہین ہے، عام طور سے تذکرہ نگار جب بوریا نشینون اور تخت نشینون کے تعلقات کا ذکر کرتے ہین، تو کچھ نہ کچھ ایسی باتین ضرور قلمبند کر دیتے ہین، جن سے ان کے خیال مین درویشی کی شان عظمت و جلالت بڑھ جاتی ہے، اس لئے کیا عجب کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود اور سلطان محمد تغلق کے تعلقات کے دکھانے مین بھی یہی صورت اختیار کی ہو، اس قسم کے واقعات مغلیہ دور کی تصانیف مین زیادہ پائے جاتے ہین، جن کے مصنفین کو تیموریون سے پہلے کے سلاطین کو کسی نہ کسی حیثیت سے مجروح کرنے مین لطف حاصل ہوتا تھا،

شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت نصیر الدین کو ایذا دینے کے لئے ٹھٹھ نہین بلایا تھا، بلکہ وہان اپنے ساتھ لے گیا تھا،

"چو سلطان محمد دنبال طغی در ٹھٹھ رفت خدمت شیخ نصیر الدین را برابر خود بردا[2]

---

[1] اخبار الاخیار ص ۸۰-۸۱ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹،

آگے چل کر مقدمۂ دوازدہم مین ہے،

"خدمت شیخ نصیر الدین محمود علیہ الرحمۃ الغفران را سلطان محمد در ٹھٹھ برابر خود بردہ بود و اندران ایام کہ سلطان محمد در زمین ٹھٹھ بحضرت الٰہی پیوست و حضرت فیروز شاہ بعون اللہ بر بادشاہی نشست خدمت شیخ نصیر الدین محمد برابر سلطان فیروز گشت[1]"

حضرت چراغ دہلی اور سلطان فیروز شاہ

مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی (ص ۵۳۵) سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود ان علماء، مشائخ و اکابر کے ساتھ شریک تھے، جنھون نے ٹھٹھ مین بالاتفاق فیروز شاہ کو سلطان محمد کا جانشین بنایا، لیکن شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی کے بیانات نسبتہً زیادہ واضح ہین، فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سلسلہ مین ہے،

"جب سلطان محمد تغلق طغی کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے ٹھٹھ گیا، تو وہ حضرت شیخ نصیر الدین کو اپنے ساتھ لے گیا، سلطان محمد نے ٹھٹھ مین وفات پائی، اور سلطان فیروز شاہ بادشاہ ہوا، حضرت شیخ نصیر الدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ آپ وعدہ کرین کہ خلق کے ساتھ عدل و انصاف کرین گے، ورنہ ان بیکس بندون کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دوسرا فرمانروا طلب کیا جائے، سلطان فیروز نے جواب کہلا بھیجا کہ مین خداوند تعالیٰ کے بندون سے حلم و بردباری کے ساتھ پیش آؤن گا، اور اُن پر انصاف و محبت سے حکومت کرون گا، حضرت شیخ نے یہ جواب سُنا تو کہلایا کہ اگر آپ خلق کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آئین گے، تو ہم بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے آپ کے لئے چالیس سال کی حکومت کے لئے دعا کرین گے، اور آخر کار وہی ہوا، جو حضرت شیخ نے فرمایا تھا، سلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود نے سلطان فیروز شاہ کو انتالیس خرنے بھیجے،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۸۲،

جو بشارت پر بشارت خیال کی گئی، (ص ۲۹)

حضرت چراغ دہلی اور خانجہان

سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خانجہان حضرت چراغ دہلی کا مرید تھا، یہ نسباً تلنگی ہندو تھا، سلطان محمد تغلق کے پاس حاضر ہو کر ایمان لایا، اور اپنی غیر معمولی استعداد اور صلاحیت کی بنا پر ترقی کر کے محمد تغلق ہی کے زمانہ مین وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا، فیروز شاہ کے عہد مین بھی وزارت کی باگ اسی کے ہاتھ مین رہی، جب وہ حضرت چراغ دہلی کے حلقۂ ارادت مین داخل ہوا تو مرشد سے اپنے لئے عبادت و ریاضت کی تفصیل پوچھی، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا تم وزیر مملکت ہو، تمھاری عبادت یہی ہے کہ حاجت مندون کی حاجت برآری مین انتہائی کوشش کرو، خانجہان نے اوراد و وظائف کے لئے اصرار کیا، فرمایا اگر تم ہمیشہ باوضو رہو تو تمھارے لئے یہی بہتر ہے، چنانچہ خانجہان مرشد کی ہدایت کے مطابق ہمیشہ باوضو رہنے لگا، شمس سراج عفیف مصنف تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ اس امر مین خانجہان اتنی احتیاط کرتا تھا کہ اگر دربار مین مسند وزارت پر اس کو وضو کی حاجت ہو جاتی تو فوراً اٹھ کر وضو کر لیتا، اور رات کو جب اپنے بستر حریر پر سونے کے لئے جاتا، تو پلنگ کے پاس ایک آفتابہ اور ایک طشت رکھوا لیتا، اور جب آنکھ کھلتی فوراً پلنگ سے اتر کر وضو کر لیتا، وفات کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اولیا، کے قریب دفن ہوا، تمام خلقت خدا نے اس کے لئے ماتم کیا، اور جیسا کہ شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ ہر شخص تعزیت مین مسجدون اور مقبرون مین جا بیٹھا، لیکن یہ کہنا صحیح ہو گا کہ خانجہان کی خدا ترسی اور عدل پروری حضرت چراغ دہلی ہی کے فیض صحبت کا نتیجہ تھی، اس کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے شمس سراج عفیف رقمطراز ہے،

> خانجہان وزیر صاحب تدبیر اور خدا ترس تھا، ہر وقت رعایا کی بہتری و فلاح کی کوشش میں لگا رہتا، کسی شخص پر ذرہ برابر بھی ظلم روا نہ رکھتا، اگر کوئی مقطع ظلم کرتا اور مال لے کر آتا، تو خانجہان مال کے اس اضافہ کو پسند نہ کرتا، ہر وقت رعیت کی راحت رسانی

> مین سرگرم رہتا، کام کرنے والے گروہ کی حمایت کرتا اور دل وجان سے اس کے قصور کی پردہ پوشی کرتا، اور اگر کسی عامل سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو نہایت عمدہ طریقہ پر اس کا حال بادشاہ سے عرض کر کے اس کو شاہی بازپرس سے بری کرا دیتا، خانجہان کی وفات پر تمام خلقت خدا نے ماتم کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام آثار اس کی مغفرت کی دلیل ہین'
>
> (تاریخ فیروز شاہی ص ۴۲۲ و ۴۲۳)

حضرت چراغ دہلی اور حضرت قطب الدین منور کی ملاقات

جب حضرت چراغ دہلی سلطان فیروز شاہ کے ساتھ ٹھٹھہ سے واپس ہو رہے تھے، تو انھون نے حضرت قطب الدین منور کی ملاقات کے لئے ہانسی کا رخ کیا، حضرت قطب الدین منور کو جب معلوم ہوا کہ حضرت چراغ ان کی خانقاہ کے قریب پہنچ گئے ہین، تو برہنہ پا دوڑے، اور دونون ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے، حضرت منور نے حضرت چراغ کے قدمون کی جانب ہاتھ بڑھایا، اور حضرت چراغ نے شیخ منور کے قدم لینے کا ارادہ کیا، اس تواضع کے بعد دونون بڑی محبت و یگانگت کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے خانقاہ تشریف لائے، اور اپنے پیر و مرشد کو یاد کر کے بہت روئے، اس کے بعد محفل سماع منعقد ہوئی، جس مین دونون بزرگون پر سکر کا عالم طاری ہوا، سماع کے بعد عصر کی نماز کا وقت آیا، تو حضرت شیخ منور نے حضرت چراغ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ امامت کرین، حضرت چراغ نے حضرت منور کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیکر کہا امامت آپ کے لئے زیبا ہے، یہ بھی فرمایا، کہ اگرچہ پیر و مرشد نے ہم دونون بھائیون کو ایک ہی روز خرقۂ خلافت عطا کیا تھا، لیکن آپ کو چاشت کے وقت خلافت ملی، اور مجھ کو ظہر کی نماز کے وقت مشرف فرمایا، اس لئے امامت کے لئے بھی آپ ہی کا حق مقدم ہے، مرشد کے ذکر پر حضرت شیخ منور امامت کے لئے آگے بڑھے، شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ جب دونون عارفان حق نماز ادا کر رہے تھے، تو معلوم ہوتا تھا کہ فرش زمین پر قران السعدین ہے'[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۸۰ - ۱۸۱،

دونون بزرگان دین میں شروع سے آخر تک غیر معمولی محبت رہی، حضرت شیخ منور کے یہان جب حضرت چراغ دہلی کا کوئی مرید آتا، تو فرماتے آؤ میرے قریب بیٹھو، تم میرے برادر زادہ ہو پھر اس پر بیحد کرم فرماتے، اسی طرح اگر کوئی شخص ہانسی سے حضرت چراغ کی قدمبوسی کے لئے آتا تو آپ اُس کو اپنی آغوش شفقت میں لیتے، اور اپنی خانقاہ مین اعزاز و اکرام کے ساتھ مہمان رکھتے،[1]

ذوق سماع خواجگانِ چشت کی طرح حضرت چراغ بھی سماع کا ذوق رکھتے تھے، ایک مرتبہ خانقاہ کی ایک مجلس سماع مین حسب ذیل شعر پر وجد آیا؛

جفا بر عاشقان گفتی نخواہم کرد ہم کردی

قلم بے دلان گفتی نخواہم راند ہم راندی

مولانا مغیث شاعر نے ایک رسالہ مین اس محفل کا پورا حال بیان کر کے یہ اعتراض کیا کہ اس شعر مین کوئی بات نہین ہے، اگر جور وجفا کی نسبت خداوند تعالیٰ کی جانب کی جائے، تو یہ کفر ہے، اس قسم کے اور اعتراضات بھی تھے، مولانا مغیث نے یہ رسالہ مولانا معین الدین عمرانی کو دیا، انھون نے حضرت چراغ دہلی کی خدمت مین پیش کیا، حضرت نے اس کو پڑھا، لیکن کچھ ارشاد نہین فرمایا، اور رسالہ واپس کر دیا، کچھ دنون کے بعد ایک اور مجلس مین حضرت چراغ کو اس شعر پر بڑی بے قراری ہوئی؛

ما طبل مغانہ دوش بے باک زدیم | عالی علمش بر سر افلاک زدیم
از بہر یکے مغ بچۂ خوارہ | صد بار کلاہ توبہ بر خاک زدیم

اور اسی بے قراری کے عالم مین چھت پر تشریف لے گئے، اور مولانا مغیث کو بلایا، جب وہ سامنے آئے تو فرمایا "ہان مولانا بنویس این جا چہ حیل بود"[2]

سلہ تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۸۴، ٹلہ جوامع الکلم ملفوظات حضرت گیسو دراز، و اخبار الاخیار ص ۷۷،

جب کبھی سماع کی وجہ سے سکر کا عالم طاری ہوتا، تو بھی نماز قضا نہ ہونے پاتی، ایک بار ظہر کے وقت وجد آیا، جو تہجد کی نماز تک قائم رہا، لیکن اس اثنا مین جب نماز کا وقت آتا، تو ہر بار وضو کر کے نماز ادا فرماتے،[1]

سماع کے ساتھ مزامیر پسند نہین فرماتے تھے، ایک روز حضرت محبوب الٰہی کے مریدون نے مجلس سماع منعقد کی، قوالون نے دف کے ساتھ گانا شروع کیا تو حضرت چراغ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، لوگون نے بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا یہ خلاف سنت ہے، حضرت محبوب الٰہی کو یہ واقعہ سنایا گیا، تو آپ نے فرمایا وہ سچ کہتے ہین، اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہین،[2]

ایک بار کسی نے مجلس سماع مین آپ سے مزامیر دف، رباب اور رقص کے متعلق استفسار کیا، تو فرمایا مزامیر بالاجماع مباح نہین ہین، اگر کوئی طریقت سے گرے، تو کم سے کم شریعت مین رہے، اور اگر شریعت کا بھی نہ ہوگا، تو پھر کہان کا رہے گا، اول تو سماع ہی مین علماء کا اختلاف ہے، اگرچہ کچھ شرائط کے ساتھ اس کو مباح کہا گیا ہے، لیکن مزامیر تو بالاتفاق حرام ہین، سماع کے متعلق فرمایا،

دارو ے دردمندان است[3]

اور سماع مین ذوق درد دل سے ہوتا ہے، نہ کہ مزامیر سے،

قاتلانہ حملہ ایک روز حضرت چراغ نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آکر اپنے حجرۂ خاص مین مراقبہ مین مشغول تھے کہ ایک قلندر مسمی تراب وہان پہنچا، اور چھری سے پے در پے آپ پر حملے کئے، خون حجرے کے باہر بہنے لگا، لیکن آپ کے استغراق میں فرق نہیں آیا، خون دیکھ کر مریدین حجرے مین گئے، اور قلندر کو سزا دینی چاہی، لیکن حضرت چراغ نے روکا، اور اپنے مریدین خاص قاضی عبدالمقتدر، شیخ

لہ مفتاح العاشقین ص ۲۵، ٹلہ اخبار الاخیار ص ۷۶، سلہ خیر المجالس مجلس ہشتم و اخبار الاخیار ص ۷۶،

صدر الدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو پاس بلا کر قسم دی، کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہ پہنچائے، پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھریاں مارتے وقت تمھارے ہاتھ کو تکلیف پہونچی ہو تو معاف کرنا، اور بیس تنکۂ زر دے کر اس کو رخصت کیا، ان ہی اوصاف کی بنا پر کہا جاتا ہے، کہ چشتیہ سلسلہ میں صبر، رضا و تسلیم کا خاتمہ آپ پر ہو گیا،[1]

وصال | اس قاتلانہ حملہ کے بعد تین سال تک خلق اللہ کے رشد و ہدایت میں مشغول رہے، ۱۸ رمضان المبارک شب جمعہ ۷۵۷ھ میں رحلت فرمائی،

وفات سے پہلے مولانا زین الدین علی نے عرض کیا، کہ آپ کے اکثر مرید اہل کمال ہیں، کسی کو سجادہ نشین مقرر فرما دیں تاکہ سلسلہ جاری رہے، فرمایا ان درویشوں کے نام لکھ کر لاؤ جن کو تم اس لائق سمجھتے ہو، مولانا زین الدین نے تین قسم کے درویشوں کا انتخاب کیا، اعلیٰ، اوسط، اور ادنیٰ، حضرت خواجہ نے ان کے نام دیکھ کر فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کا غم کھائیں گے، لیکن دوسروں کا بار نہ اٹھا سکیں گے، اس کے بعد وصیت فرمائی کہ دفن کرنے وقت حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کا خرقۂ مبارک میرے سینہ پر، ان کا عصا میرے پہلو میں، ان کی تسبیح میری شہادت کی انگلی میں، ان کا کاسہ خشت کے بجائے میرے سر کے نیچے اور ان کی چوبین نعلین میرے بغل میں رکھدی جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز نے غسل دیا، اور جس پلنگ پر غسل دیا گیا، اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں ڈال لیں، کہ میرے لئے یہی خرقہ ہے، اور یہی کافی ہے، مزار اقدس دہلی میں ہے،

لطافت طبع | آپ کی طبیعت میں بہت پاکیزگی اور مزاج میں بڑی نظافت تھی، آپ کے مرید حضرت سید گیسو دراز اپنے ملفوظات جوامع الکلم (ص ۱۱۲) میں فرماتے ہیں کہ جس جگہ وہ بیٹھتے وہ بہت ہی پاک، صاف اور روشن ہوتی، وہاں ایک تنکہ بھی دکھائی نہیں دیتا، کسی وقت یہ نہیں معلوم ہوتا، کہ جسم مبارک

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۱۹۹،

پر جو کپڑا ہے، وہ گویا زیب تن فرمایا ہے، یا آج پہنا ہے، دامن اور آستینوں کی شکن سے کچھ اندازہ ہوتا کہ وہ دن کا پہنا ہوا ہے، دائیں بائیں پھولوں کا انبار لگا رہتا تھا،

تجرد | مرشد کی سنت کی پیروی میں تمام عمر ازدواجی تعلق سے آزاد رہے،

بزرگی | خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید قلندر رقمطراز ہیں کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود علم میں ابو حنیفۂ وقت اور زہد و ورع میں حضرت شیخ نظام الدین کی جگہ پر تھے،[1] مفتاح العاشقین کے مرتب مولانا محب اللہ نے حضرت خواجہ کو عمدۃ الابرار، قدوۃ اخیار، ملک السالکین، برہان العاشقین اور ختم المشائخ کے القاب سے یاد کیا ہے،[2]

لطائف اشرفی میں ہے :- (ص ۳۶۲)

حضرت قدوۃ الکبری می فرمودند کہ ہر چند کہ خلفاء حضرت سلطان المشائخ ہمہ بر مسند شیخیت و ارشاد و بر جادۂ شریعت و اتقیا و بودند، اما حضرت شیخ نصیر الدین محمود راحق تعالیٰ ولایتے کرامت کردہ بود کہ بدان رتبہ ہیچ کس از خلفاء نتواند رسید، و آن مقدار آثار ولایت و کرامت و انوار ہدایت و عظامت کہ از حضرت شیخ نصیر الدین ظہور پیوست از ہیچکس ظاہر نشد، بلکہ در ہمہ ہندوستان ہیچ صاحب ولایتے مقاومت ایشان نتوانست،

سیر العارفین میں ہے کہ

"وہ مبارز نبرد جہاد اکبر، وہ شاہد شہود اطہر اظہر، وہ صنوبر ریاض ریاضت، وہ نیلوفر فیوض افادت، وہ مثال تنزیہ و تشبیہ، وہ عامل تنقیح و توضیح، وہ برگزیدہ معبود احد الواحد، وہ مشائخ کبار میں مستثنیٰ مجردان روزگار میں اولی الابصار تھے،[3]

---

[1] خیر المجالس مجلس دوم [2] مفتاح العاشقین، تمہید،
[3] سیر العارفین جلد دوم صفحہ ،

مولانا عبدالحق نے اخبار الاخیار میں حضرت خواجہ کو مستغرق بحر شہود کے لقب سے یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنے شیخ کا بہت اتباع کرتے تھے، ان کا طریقہ فقر، صبر، رضا اور تسلیم تھا،[1]

سفینۃ الاولیا (ص ۱۰۷) میں ہے کہ حضرت خواجہ سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں، کہ سلطان المشائخ کے کسی مرید سے اتنی ظاہر نہ ہوئی ہوں گی، خزینۃ الاصفیا میں ہے،

"صاحب الاسرار زبدۃ الابرار و عابد عظیم و زاہد کریم بود (ص ۳۵۳)

ملفوظات | حضرت چراغ کے ملفوظات کے دو مجموعے مشہور ہوئے، (۱) خیر المجالس مرتبہ مولانا حمید قلندر شاعر (۲) مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ، ان دونوں میں خیر المجالس زیادہ مقبول ہوئی اس میں ۷۵۵ھ سے ۷۵۶ھ تک کی سو مجلسوں کے ملفوظات ہیں، تمام صوفیانہ رموز و نکات لذیذ حکایتوں کے پیرایہ میں واضح کئے گئے ہیں، اس لئے پوری کتاب شروع سے آخر تک دلچسپ ہے، گذشتہ صفحات میں اس کی تعلیمات کا ذکر جستہ جستہ آچکا ہے، جگہ کی قلت کی وجہ سے ہم اس کے اور مسائل کو تفصیل کے ساتھ قلم بند کرنے سے معذور ہیں، پھر بھی کچھ مباحث ہدیۂ ناظرین ہیں،

جذب و سلوک | فرمایا سلوک میں ارادت ضروری شرط ہے، تاکہ مرشد طریقۂ ذکر و فکر کی تعلیم دے سکے، اور جہاں ایک سالک کو وقفہ عارض ہو، وہاں مرشد دست گیری کرے، ایک سالک متدارک بجذبہ اور ایک مجذوب متدارک بسلوک ہوتا ہے، سالک متدارک بجذبہ وہ ہے، جو علم، عمل اور ارادت کی قوت سے پہلے سلوک اور پھر بعد میں جذبہ حاصل کرتا ہے، وہ اپنے اعمال میں خون جگر پیتا ہے، رنج و تعب اٹھاتا ہے، اس کو نفس اور شیطان معصیت میں آلودہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ تائب ہو کر عابد و زاہد رہتا ہے، اور مجذوب متدارک بسلوک وہ ہے، جو پہلے جذبہ اور آخر میں سلوک حاصل کرتا ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے، جذبہ کی قوت سے کرتا ہے، شیطان اور نفس دونوں کو اس کے بہاں دخل نہیں، حضرت چراغ کی رائے ہے کہ سالک متدارک بجذبہ اور متدارک بسلوک دونوں

[1] اخبار الاخیار (ص ۸۰)

کی متابعت کی جا سکتی ہے، لیکن مجذوب مطلق اور سالک نامتدارک جذبہ اتباع کے لائق نہیں ہوتے، حضرت چراغ کے نزدیک سالک متدارک بجذبہ مجذوب متدارک بسلوک سے افضل تر ہے، سالک کی ایک قسم واقفہ بھی ہوتی ہے، جو علم اور مجاہدہ کے زور سے سلوک حاصل کر لیتا ہے، لیکن کسی لغزش کی وجہ سے آگے نہیں بڑھنے پاتا، ایسی حالت میں مرشد مدد کرتا ہے، ورنہ اس کو شیطان طمانچے مارتا رہتا ہے،[1]

حال و مقام | فرمایا ایک مبتدی تلاوت کلام پاک، نماز اور فکر میں وقت صرف کرتا ہے، اور جب وہ اپنے اوقات کو عبادت و ریاضت سے معمور کر لیتا ہے، تو وہ صاحب وقت کہلاتا ہے، اس کے بعد ایک حال قائم ہوتا ہے، جس میں انوار نازل ہوتے ہیں اس کا اثر دل پر پہنچتا ہے، اور دل سے اعضا میں سرایت کرتا ہے، لیکن اس حال میں دوام نہیں ہوتا، اگر اس کو دوام حاصل ہو جاتا ہے، تو یہ مقام ہے، اور جب مقام کو دوام حاصل ہوتا ہے، تو مبتدی منتہی کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے، اور وہ صاحب انفاس کہلاتا ہے،[2] اس کی ہر سانس پاکیزہ ہوتی ہے، اور وہ غیر حق کے تمام خیالات دل سے محو کر دیتا ہے،

صحت نفس | حضرت چراغ نے نفس کی تربیت پر بڑا زور دیا، فرمایا محافظت نفس کے لئے محافظت نفس ضروری ہے، چنانچہ ایک موقع پر اپنی ساری تعلیم کا لب لباب اس شعر میں پیش کیا،

صحت نفس و قوت یک روزہ
بہتر از تاج و تخت فیروزہ[3]

مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ اٹھائیس صفحے کا ایک مختصر رسالہ جو مطبع مجتبائی دہلی میں چھپ گیا ہے، اس کے مطبوعہ نسخہ کے آخر میں ہے:-

"تمام شد ملفوظا حضرت سلطان المشائخ شیخ نصیر الحق و الشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز

[1] خیر المجالس مجلس دہم و مجلس سی و نہم [2] ایضاً مجلس دوازدہم [3] ایضاً مجلس دوازدہم و پنجم،

تاریخ سیزدہم ماہ صفر ۷۷۷ھ ہجری نبوی روز پنجشنبہ وقت نماز ظہر،

۷۷۷ھ کتابت و طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حضرت چراغ کا وصال ۷۵۷ھ میں ہوا،

مفتاح العاشقین میں صرف دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں، اس میں سے بھی کچھ باتیں پیش کی جاتی ہیں،

غسل کی قسمیں | فرمایا ایک مرید کے لئے تین قسموں کا غسل ضروری ہے، (۱) غسل شریعت یعنی جسم سے ناپاکی کو دور کرنا، (۲) غسل طریقت یعنی تجرد اختیار کرنا، (۳) غسل حقیقت یعنی باطن کا توبہ کرنا، (ص ۴)

چار عالم | فرمایا ایک مرید کو راہِ سلوک میں حسب ذیل چار عالم سے واقف ہونا ضروری ہے، اور اگر وہ واقف نہیں ہے تو وہ دروغ گو ہے،

(۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت (۴) لاہوت،

عالم ناسوت حیوانات اور نفس کی دنیا ہے، اس میں حواس خمسہ سے افعال صادر ہوتے ہیں، سالک اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے اس عالم سے گذر کر عالم ملکوت میں پہنچتا ہے، جہاں اس کے افعال صرف تسبیح، تہلیل، قیام، رکوع اور سجود تک محدود ہوتے ہیں، اس عالم کو طے کرکے وہ عالم جبروت میں آتا ہے، جہاں صرف شوق، ذوق، محبت، اشتیاق، طلب، وجد، سکر، صحو، محو اور کچھ اور نہیں ہوتا، اس کے بعد وہ عالم لاہوت میں داخل ہوتا ہے، جو بالکل لامکان ہے، یہاں نہ گفتگو ہے، اور نہ جستجو، عالم ناسوت نفس کی صفت، عالم ملکوت دل کی صفت، عالم جبروت روح کی صفت اور عالم لاہوت نظر رحمان کی صفت ہے،

تجلیہ روح | ایک دوسری جگہ فرمایا کہ سالک جب تک تزکیہ، تصفیہ اور تجلیہ حاصل نہیں کرتا، اس

میں درویشی کا جوہر پیدا نہیں ہوتا، ان ہی کے ذریعہ سے شریعت، طریقت اور حقیقت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں، حصولِ شریعت سے تزکیہ نفس ہوتا ہے، اور اس کے لئے کم کھانا، اور راتوں کو نوافل پڑھنا ضروری ہے، حصولِ طریقت سے تصفیہ دل ہوتا ہے، اس کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، اور ذکر جلی کرنا لازمی ہے، حصولِ حقیقت سے تجلیہ روح ہوتا ہے، اس کے لئے روزے رکھنا اور ذکر خفی کرنا ضروری ہے، تجلیہ روح سے مراد دل کے سات گوہر کا روشن ہونا ہے، وہ سات گوہر یہ ہیں،

(۱) گوہر ذکر (۲) گوہر عشق (۳) گوہر محبت (۴) گوہر سِر (۵) گوہر روح، (۶) گوہر معرفت، (۷) گوہر فقر،

گوہر ذکر کی روشنی سے سالک موجودات کی کل چیزوں میں منفرد ہو جاتا ہے، جس کے بعد گوہر عشق روشن ہو جاتا ہے، اس میں شوق اشتیاق، درد اندوہ حیرانی اور بیخودی رہتی ہے، اس کے بعد گوہر محبت میں روشنی پیدا ہوتی ہے، جس سے سالک کے دل میں خدا کے سوا کسی اور کی محبت نہیں رہتی ہے، اور وہ ہر حال میں راضی برضا ہوتا ہے، اسی اثنا میں وہ واردات اور مواہب الٰہی سے آگاہ و سرفراز کیا جاتا ہے، جس سے گوہر سِر روشن ہوتا ہے، اس کے بعد روح کا گوہر چمکتا ہے، جیسے سالک کا کوئی لمحہ خدا کی طاعت سے خالی نہیں رہتا ہے، پھر گوہر معرفت اور آخر میں گوہر فقر روشن ہوتے ہیں، گوہر معرفت کے روشن ہونے پر سالک جو کچھ سنتا ہے، خدا سے سنتا ہے، جو کچھ کہتا ہے خدا سے کہتا ہے، جب کبھی چلتا ہے تو خدا کے لئے چلتا ہے، اور جب فقر کا گوہر روشن ہوتا ہے تو سالک دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے،

اور جب سالک ان مراتب کو پہنچتا ہے، تو انوار تجلی سے متصف ہو کر اٹھارہ ہزار دنیا کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان پاتا ہے، اور وہاں خدا کی قدرت سے چون اور چگون کا تماشا دیکھتا ہے،

قدرتِ خداوندی میں جو کچھ چیزیں ہیں، وہ اُس کی روزی ہوتی ہے، مگر سالک کو احتیاط رکھنا چاہئے کہ اس سعادت سے محروم (بے نصیب) نہ ہو جائے (ص ۱۲)

محبت کی قسمیں ایک مجلس میں خالصۃً محبت پر ارشادات ہیں، فرمایا کہ محبت کی دو قسمیں ہیں محبت ذات، محبت صفات، محبت ذات وہبی اور محبت صفات کسبی ہے، ابتدا میں سالک کو خلق دنیا نفس اور شیطان جادۂ محبت سے گمراہ کرتے ہیں، مگر خلق سے پرہیز کے لئے عزلت نشینی، دنیا کو نظر انداز کرنے کے لئے قناعت پسندی اور نفس اور شیطان سے بچنے کے لئے عبادت گذاری ضروری ہے،

خاص محبت وہ ہے کہ دوست کے لئے دنیا کی ہر چیز ایثار کردے، اور محبت میں صادق وہی ہے کہ اگر اس کو کاٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے، یا آگ میں جلا دیا جائے تو بھی وہ ثابت قدم رہے،

خلفاء حضرت چراغ دہلی کے جلیل القدر خلفاء میں حضرت سید محمد بن جعفر المکی الحسینی بھی تھے، ان کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے :

"حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نور اللہ مرقدہٗ کے جلیل القدر خلفاء میں سے ہیں، توحید و تفرید میں مقام عالی رکھتے تھے، اُن کا شمار منفرد اولیاء میں کیا گیا ہے، انھوں نے اپنے ظاہر و باطن کے جو احوال لکھے ہیں، اُن کو پڑھ کر عقل حیران رہتی ہے، اگر بغیر کسی تاویل کے صرف ان کا ظاہر مراد ہے تو اپنے زمانہ کے بڑے کامل تھے، اُن کی ایک تصنیف بحر المعانی ہے جس میں حقائق توحید، علوم قوم اور اسرار معرفت بیان کئے گئے ہیں، طرز بیان متانہ ہے، اسی کتاب میں دو اور کتابوں دقائق المعانی اور حقائق المعانی کے لکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں لکھی گئیں یا نہیں، ان کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں، ایک رسالہ روح کے بیان میں لکھا ہے، اس کا نام پنج نکات ہے، بحر الانساب ان کی بھی ایک تصنیف ہے، اس میں اہل بیت رسالت کا نسب نامہ ہے، جس میں اپنے نسب کو

بھی ملایا ہے، وہ صاحب دعویٰ کثیر ہیں، اور اُن کے بیانات سے اُن کے دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے، بڑی عمر پائی، محمد تغلق کے زمانہ سے سلطان بہلول لودی کے زمانہ تک زندہ تھے، اس حساب سے ان کا سن سو سال سے زیادہ ہوتا ہے، آبا و اجداد مکہ معظمہ کے اشراف میں سے تھے، وہاں سے دہلی آئے، پھر سرہند میں اقامت گزیں ہوئے، اور یہیں مدفن ہے، (ص ۱۲۰)

حضرت سید محمد کے مزید حالات اور اُن کی تصنیف بحر المعانی کے کچھ اقتباسات مذکرۂ بالا تذکرہ میں ملیں گے، (دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۴۳-۱۴۸)

حضرت چراغ کے بعض اور خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

حضرت میر سید محمد گیسو دراز (گلبرگہ شریف) خواجہ کمال الدین (احمد آباد گجرات بھیجے گئے، یہاں کے اطراف و جوانب میں لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ اپنا معتقد بنایا۔ مزار دہلی ہی میں ہے)۔ شیخ دانیال (ستر کھ) شیخ صدر الدین طبیب (دہلی میں مدفون ہیں) خواجہ معین الدین خورد (زمرگھا) شیخ سراج الدین (پاک پٹن) شیخ یوسف حسینی (علم دین میں اُن کی ایک کتاب فیض انتساب تحفۃ النصائح مشہور ہے) شیخ عبد المقتدر (مناقب الصدیقین میں اپنے مرشد کے فضائل تحریر کئے، خانقاہ جونپور میں ہے) حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دار، حضرت مولانا خواجگی (کالپی) شیخ احمد تھانیسری (کالپی) شیخ محمد متوکل کنتوری (بہرائچ) شیخ قوام الدین (لکھنؤ)

تصوف اسلام : جدید اڈیشن قیمت :- ۱۲/ ضخامت صفحے،
"منیجر"

اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے

عمارتیں

از

مولانا عبد السلام ندوی

(۴)

شاہجہان کے علاوہ امراے شاہجہانی میں جن لوگون نے مختلف مقامات میں عمدہ عمارتیں بنوائیں اُن کے نام حسب ذیل ہیں :-

اعتقاد خان اس نے آگرہ میں جدید وضع کی ایک حویلی تعمیر کروائی، جو وہاں کی اور حویلیون سے بہتر تھی، مآثر الامرا میں لکھا ہو کہ سب سے پہلے آگرہ میں تین شخصون یعنی خواجہ جہان جہانگیری خواجہ دیسی دیوان سلطان پرویز اور اعتقاد خان نے جدید وضع کی حویلیون کی بنیاد ڈالی، لیکن ان میں سب سے بہتر حویلی اعتقاد خان کی تھی، چونکہ وہ شاہجہان کو پسند آئی، اس لئے اعتقاد خان نے بطور پیشکش کے اس کو شاہجہان کی نذر کیا، اور بعد کو شاہجہان نے امیر الامرا علی مردان خان کو بطور انعام کے دیا، [۱]

احمد نیازی خان بڑا فیاض امیر تھا، اس کے باپ نے اشتی بہار میں توطن اختیار کیا تھا، اور وہین اس کی قبر تھی، اس تعلق سے احمد نیازی خان نے اس قصبہ کی آبادی بڑھانے کی کوشش کی، ایک باغ لگوایا، ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی، اور اپنے باپ کا مقبرہ بنوایا، [۲]

۱؎ مآثر الامرا جلد اول ص ۲۰۱، ۲؎ ایضاً ص ۱۸۰،

شاہجہانی عہد میں بھرجی برم ساہ ایک امیر تھا جو بگلانہ کا زمیندار تھا، جب اس کا انتقال ہوگیا تو اس کے لڑکے برم شاہ کو شاہجہان نے مسلمان کرکے دولت مند خان کا خطاب دیا، اور پرگنہ پونار فانڈیس کو بطور انعام کے مرحمت کیا، اوس نے اوس قصبہ میں نہایت پرتکلف عمارتیں بنوائین جن کے آثار صاحب مآثر الامراء کے زمانہ تک باقی تھے، [۱]

خان دوران نصرت جنگ دکن کا صوبہ دار تھا اس نے دکن کا انتظام اس خوبی سے کیا کہ قدیم نقشہ بالکل بدل گیا، اور ملک کی آبادی ترقی کرگئی چنانچہ برہانپور کی تمام عمدہ عمارتیں اسی کے دور کی یادگار ہین، صاحب مآثر الامرا لکھتے ہین :-

"بیشتر عمارات عمدہ برہانپور در وقت او شدہ، مندوی زمین آباد کنار ندی از دست راز صروتیج تا بہ برہانپور یدہ کروہی سرا ہا ساختہ اوست" [۲]

رشید خان انصاری بڑا فیاض امیر تھا، اس نے برہان پور کی عید گاہ کی توسیع کرائی، اور اس میں نہر کا پانی لایا، [۳]

سرفراز خان دکنی مضافات ناندیر میں پرگنہ لوہ گانون اس کی جاگیر میں تھا، اس نے اس پرگنہ کے ایک گانون بلولی نامی میں توطن اختیار کیا، اور اس میں ایک مسجد اور دوسری بلند عمارتیں بنوائین، جن کی وجہ سے اس گانون کو دوسرے قصبات پر تفوق حاصل ہوگیا، [۴]

وزیر خان حکیم علیم الدین پنجاب کے ایک قصبہ چنیوٹ میں پیدا ہوا تھا، ۱۰۵۰ھ میں انتقال کیا، اور نہایت کثرت سے عمارتیں اپنی یادگار چھوڑیں، چنانچہ لاہور میں حمام، بازار اور متعدد حویلیان اور ایک جامع مسجد بنوائی، لاہور کے پاس وزیر آباد کے نام سے ایک قصبہ آباد کیا، اور قصبہ چنیوٹ کے گرد ایک پختہ فصیل قائم کی، اور بہت سی پختہ عمارتیں بنوا کر وہاں کے لوگون کو دیں، بازارون میں سڑکین دوکانین

۱؎ مآثر الامرا حصہ اول ص ۱۴۱، ۲؎ ایضاً ص ۷۵۰، ۷۵۱، ۳؎ مآثر الامرا ج ۲ ص ۲۵۰، ۴؎ ایضاً ص ۲۴۱،

مسجدین، مدرسے، شفاخانے، کنوئین، اور حوض بنوا کر وہان کے لوگون پر وقف کئے، غرض صاحب مآثر الامرا کے الفاظ این :-

"تو نوے وطن را آراست کہ این دولت بہیچ امیرے دیگر در ہندوستان میسر نشدہ[1]"

اسلام خان | اس کو میر محمد نعمان رحمۃ اللہ کے ساتھ خاص عقیدت تھی، اس لئے ان کے مزار کے پاس ۱۰۵۵ھ مین ایک عظیم الشان مسجد بنوائی، کشمیر کی عیدگاہ بھی اسی کی بنوائی ہوئی ہے[2]،

شاہجہان کے بعد عالمگیر کا دورِ حکومت آیا، جو سادگی اور کفایت شعاری کا دور ہے، اس لئے اس دور مین جدید عمارتین بہت کم تعمیر ہوئین، صرف ضروری عمارتون کی تعمیر اور مرمت و اصلاح کی گئی، مثلاً شہر بیجاپور اور اس کے آس پاس کی آبادیان چونکہ مسلسل لڑائیون کی وجہ سے بالکل ویران ہو گئی تھین، اس لئے عالمگیر نے وہان چھاونی قائم کی، اور عمارتین بنوائین[3]، قلعہ ستارہ اور قلعہ پرلی مین شاہان بیجاپور نے جو مشہور مسجدین تعمیر کی تھین چونکہ ہندوؤن کی دست برد سے بالکل ویران ہو گئی تھین، اس لئے عالمگیر نے دوبارہ اُن کی تعمیر کا حکم دیا[4]، اسی طرح جلوس کے پہلے ہی سال جب اس کو اطلاع ملی کہ بہت سی مسجدین اور عبادتگاہین بے رونق اور ویران ہو گئی ہین، تو حکم دیا کہ ممالک محروسہ مین جہان کہین اس قسم کی مسجدین پائی جائین، اُن کی ترمیم و تجدید کی جائے، اور امام موذن اور نوکر اور فرش اور روشنی کے مصارف مقرر کئے جائین[5]، چنانچہ اس حکم کے موافق احمد آباد کی بہت سی مسجدون کی مرمت ہوئی[6]،

سلاطین تیموریہ کے عہد مین جدید عمارتون کی تعمیر کا ذوق لازمۂ امارت ہو گیا تھا، لیکن عالمگیر نے شرعی حیثیت سے عہد قدیم کے تمام امیرانہ وشاہانہ ساز و سامان کی اصلاح کی، اور اپنے جلوس کے اکیسوین سال حکم دیا کہ

[1] آثار الامرا حصہ سوم ص ۹۲۵-۹۲۶ و [2] ایضاً حصہ اول ص ۳۱۹-۳۲۰ [3] خافی خان حصہ دوم ص ۲۰۱ [4] ایضاً ص ۲۰۲، [5] عالمگیر نامہ جلد دوم ص ۸۰۵، [6] مرأۃ احمدی جلد دوم ص ۱۷

(۱) اہلِ قلم نقرئی دوات کے بجائے چینی و سنگ مُلمع کی دواتین استعمال کرین،

(۲) طلائی و نقرئی عود سوز دربار خاص و عام مین نہ سلگائے جائین،

(۳) انعامات کی رقمین بجائے خوانہائے نقرہ کے سپر مین رکھ کر ملاحظہ عالی مین لائی جائین،

(۴) خلوت خانہ مین بجائے مغرق کپڑون کے کلابتونی کپڑے استعمال کئے جائین،

اور انہی احکام کے سلسلہ مین امرا کے تعمیری ذوق پر بھی پابندی عائد کی، اور حکم دیا کہ چہار صدی سے بالاتر امرا بلا حکم شاہی جدید عمارتون کے تعمیر کی جرأت نہ کرین[1]،

چہار صدی سے بالاتر امرا کی تخصیص سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے امرا جو عمارتین تعمیر کرواتے تھے، اُن سے صرف نام و نمود کا اظہار مقصود ہوتا تھا، جو شرعی حیثیت سے ناپسندیدہ امر تھا، اس لئے عالمگیر نے ان پر پابندی عائد کر دی تاکہ غیر ضروری عمارتون کے بجائے ضروری عمارتین تعمیر ہون، لیکن باایں ہمہ عالمگیری دور بھی امرا کی تعمیرات سے خالی نہین ہے اور اس دور مین بھی متعدد امرا نے عمارتین تعمیر کروائی ہین، چنانچہ اُن کے نام حسبِ ذیل ہین،

خانزمان | اس نے برار کی صوبہ داری کے زمانہ مین موضع ہرم مین توطن اختیار کر لیا تھا، اور اس کا نام خانزمان نگر رکھا تھا، اور یہان بہت سی شاندار عمارتین بنوائی تھین، جن کے آثار صاحب مآثر الامرا کے زمانے تک باقی تھے، اُس نے برہان پور مین بھی ایک حویلی بنوائی تھی[2]،

عبدالنبی | عالمگیر کے زمانہ مین متھرا کا فوجدار تھا، اور وہان ایک مسجد بنوائی تھی[3]، عالمگیر کے بعد اگرچہ تنزل کا دور شروع ہو گیا، تاہم اس دور مین بھی امرا کا ذوق تعمیر قائم رہا، اور انھون نے متعدد عمارتین بنوائین، چنانچہ امرائے محمد شاہی مین امین الدولہ امین الدین خان سنبھلی نے اپنے وطن مین نہایت عمدہ عمارت، باغ اور سرائے بنوائی[4]، عضد الدولہ عوض خان نے شاہ گنج واقع شہر خجستہ بنیاد مین ایک مسجد

[1] ترجمہ مآثر عالمگیری ص ۱۱۱، [2] مآثر الامرا حصہ اول ص ۹۲، [3] ایضاً جلد دوم ص ۲۲، [4] ... حصہ اول ص ۲۱۵

بنوائی، مسجد کے سامنے جو حوض پڑتا تھا، اس کو اگرچہ حسین علی خان نے بنوایا تھا، لیکن عوض خان نے اس کو اور وسیع کیا، اس شہر مین اُن کی حویلی اور بارہ دری بھی مشہور تھی،[1]

نواب آصف جاہ نے ۱۱۳۱ھ مین برہانپور کی شہر پناہ کی بنیاد ڈالی، جو دو برس مین تیار ہوئی، اس کے علاوہ مسجد کاروان سرا اور دولت خانہ بنوایا،[2]

ہندوستان کے طول و عرض مین مسلمانون نے جو عمارتین تعمیر کرائین، یہ اُن کی نہایت مختصر، ناکمل تاریخ ہی، کیونکہ

۱- اس سلسلہ مین ہمارے مورخین نے صرف ان امرا و سلاطین کا نام لیا ہے جنھون نے تعمیرات مین خاص شہرت و ناموری حاصل کی ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ جو امرا و سلاطین اس معاملہ مین بہت زیادہ شہرت نہین رکھتے تھے انھون نے بھی کچھ نہ کچھ عمارتین ضرور تعمیر کروائی ہون گی،

۲- مشہور سلاطین و امرا کی تمام عمارتون کا تفصیلی ذکر بھی تاریخ کی کتابون مین نہین ہے بلکہ ضمنی موقعون پر خاص خاص عمارتون کے نام آگئے ہین،

۳- رفاہ عام کے سلسلہ مین جو عمارتین تعمیر ہوئین، وہ اس سے الگ ہین،

۴- مسلمان امرا و سلاطین نے جو شہر اور قصبے آباد کئے، اُن کی عمارتین بھی اس مین داخل نہین،

تاہم عمارتون کی کثرت اور وسعت کا اندازہ مختلف طریقون سے ہو سکتا ہی مثلاً

شفاخانے جہانگیر نے تمام بڑے بڑے شہرون مین شفاخانے تعمیر کروائے تھے، دوسرے امرا و سلاطین نے جو شفاخانے بنوائے تھے، وہ اس سے الگ ہین،

سرائین سرایون کا ایک طویل سلسلہ دلی سے دولت آباد، اور لاہور تک بنگالہ اور سنار گانون سے آب سندھ تک اور اورنگ آباد سے اکبر آباد تک اور لاہور سے کابل تک پھیلا ہوا تھا، ان مین

[1] مآثر الامرا حصہ دوم ص ۴۴۳، [2] ایضاً حصہ سوم ص ۱۰۰۲،

شیر شاہ نے دہلی سے لاہور تک دو دو کوس اور بنگالہ اور سنار گانون سے آب سندھ تک اور آگرہ سے مانڈو تک کوس کوس بھر کے فاصلہ پر سرائین بنوائین اور چونکہ بنگالہ اور آب سندھ کی درمیانی مسافت ڈیڑھ ہزار کوس اور آگرہ سے مانڈو تک کی مسافت تین سو کوس کی ہے، اس لئے بنگال اور سندھ کے راستہ مین ڈیڑھ ہزار اور آگرہ اور مانڈو کے راستہ مین تین سو سرائین تعمیر ہوئین، شیر شاہ نے بنگال کے راستہ مین جو سرائین تعمیر کروائی تھین، اُن مین دو سرایون کے درمیان اس کے جانشین سلیم شاہ نے ایک اور سرائے کا بھی اضافہ کیا، اور اس طرح یہ تعداد اور بھی زیادہ ہو گئی، متفرق سرائین ان سے الگ ہین، اور مہمان خانے بھی اسی سلسلہ مین داخل ہین،

حمام متفرق حمامون کے علاوہ عالمگیر نے اورنگ آباد سے اکبر آباد تک اور لاہور سے کابل تک جو سرائین بنوائی تھین، ان مین ہر سرائے کے ساتھ ایک حمام اور ایک بازار کا ہونا لازمی تھا،

سکندر لودی نے ان تمام مقامات مین جہان ہندو اشنان کرتے تھے، بازار قائم کئے تھے،

مساجد سکندر لودی نے ان مقامات پر مسجدین بھی تعمیر کروائی تھین، اور عالمگیر کی تعمیر کردہ سرایون مین ہر سرائے کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کی گئی تھی، اُن کے علاوہ مسجدون کی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ سلطان احمد نے احمد آباد کے باہر جو گانون آباد کرائے تھے، اُن مین ایک ہزار مسجدین تھین،

مقبرے مقبرون کی تعداد غیر محدود تھی، دار السلطنتون اور ان شہرون مین جہان امرا و سلاطین کے ساتھ علما، مشائخ، اور فقرا و صوفیہ کثرت سے رہتے تھے، ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، آگرہ مین شہر کے چارون طرف خصوصاً لب جمنا کوسون تک باغات کے اندر ان مقابر کا سلسلہ چلا گیا تھا اب امتداد زمانہ سے اگرچہ اکثر مقبرے منہدم ہو گئے ہین، تاہم اب بھی شہر کے قرب و جوار مین کوسون تک مقبرون کے شکستہ گنبد اور تہ خانے نظر آتے ہین، چونکہ یہ مقبرے اکثر زندگی ہی مین تعمیر کرائے

جانتے تھے، اس لئے ہر شخص اپنی یا اپنے محبوب کی آخری یادگار کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے کی کوشش کرتا تھا، چنانچہ ابو الفضل دلی کے متعلق لکھتا ہے،

"و بسا ز ندگان برائے خواب واپسین دل گزین جاہا بر ساختہ اند"

یہ ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا، کہ انسان تو انسان گھوڑوں، کتوں اور ہرنوں وغیرہ کی یادگاریں بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں بنائی جاتی تھیں، چنانچہ آگرہ میں اس قسم کی متعدد یادگاریں موجود ہیں،

اس قسم کی عمارتیں زیادہ تر امراء و سلاطین تعمیر کرواتے تھے، عام رعایا کی عمارتیں اُن سے الگ ہیں، اور اُن کا اندازہ صرف مورخین کے اجمالی بیانات سے ہو سکتا ہے، مثلاً جہانگیر تزک میں آگرہ کی نسبت لکھتا ہے، کہ

"اس کی کثرت عمارت کا یہ حال ہے کہ عراق خراسان اور ماوراء النہر کے شہروں کے مثل متعدد شہر آباد ہو سکتے ہیں، اکثر آدمیوں نے سہ منزلہ اور چہار منزلہ عمارتیں بنوائی ہیں، آدمیوں کی کثرت کا یہ حال ہے کہ کوچہ و بازار میں بمشکل چل پھر سکتے ہیں[1]،

ابو الفضل آئین اکبری میں دلی کے متعلق لکھتا ہے،

"و عمارات عالی از سنگ و خشت فروغ افزائے چشم و عشرت فرود دل[2]"

پل، تالاب، حوض، کنوئیں، اور منارے سلسلۂ عمارات سے الگ ہیں، اور ان سب کے مجموعے نے سلاطین ہندوستان کا جو نقشہ قائم کر دیا تھا، وہ صاحب خلاصۃ التواریخ کے الفاظ میں حسب ذیل ہے :-

"ہندوستان اس قدر وسیع ملک ہے کہ دوسرے ممالک اس کی عشر عشیر وسعت بھی

[1] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص [2] آئین اکبری ج ۲ ص ۱۳۲

نہیں رکھتے، لیکن باوجود اس وسعت کے ہر جگہ آباد ہے اور ہر طرف، ہر ضلع میں، ہر شہر میں، ہر قصبے اور گاؤں میں اور ہر رباط اور قلعے میں مسجدیں، عبادتگاہیں، خانقاہیں، حوض، اور دوسری قسم کی عمدہ عمارتیں، باغات، درخت، ہری بھری زراعت اور نہریں اس کثرت سے ہیں کہ دوسرے ممالک میں اس قسم کی آبادی کا بہت کم پتہ چلتا ہے،

عام گذرگاہوں میں ہر نہر اور ہر نالے پر مضبوط پل بندھے ہوئے ہیں، اور دریاؤں میں کشتیاں تیار رہتی ہیں، ہر کوس کے فاصلہ پر بلند منارے بنے ہوئے ہیں، جو کوس کی علامت ہیں، اور اُن سے راستوں کی رہنمائی بھی ہوتی ہے، دو کوس کے فاصلہ پر مسافروں کے اترنے اور آرام کرنے کے لئے سرائیں بنی ہوئی ہیں، جن میں ہمہ وقت کھانے پینے کی چیزیں، دوائیں عطر اور دوسرے ضروری سامان موجود رہتے ہیں، تمام راستوں میں سایہ دار اور میوہ دار درخت، کنوئیں اور تالاب ہیں جو خوشگوار پانی سے لبریز رہتے ہیں، مسافر درختوں کے سایہ میں سیر کرتے ہوئے، میوے کھاتے ہوئے، سرد پانی پیتے ہوئے گویا باغ کی روشوں پر چلتے ہیں

مقدمۂ رقعات عالمگیر

اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشاء اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشاء کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشاء اور اس کی تاریخ کے مآخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے، قیمت : عہ

"منیجر"

سنگِ شبام

یہود و حمیر کی تاریخ کا ایک متبرک ورق

از

جناب مولانا ابو الجلال صاحب ندوی،

(۲)

یہ پتھر جس کو ہم نے سنگِ شبام کا نام دیا ہے، اگرچہ حضر موت کی وادی مین ملا لیکن اس کی تحریر کا مضمون بتاتا ہے، کہ یہ وہی پتھر ہے جس کا ذکر تکوین ۳۳ - ۲۰ مین ہے، اور جس کا نام ہے،

اَل = ہرگز نہین،[1]

الوہی = اے معبود

یشرائیل = اسرائیل،

یہ نام اس پتھر کو اس لئے دیا گیا تھا، کہ لوگون نے اس مقدس پتھر کے پاس جمع ہو کر (تکوین ۲:۳۴) کے اندر مذکورہ خبر کی تکذیب کی تھی جس تکذیب کی بنا پر یہ فیصلہ سنایا گیا تھا کہ

ذکین ادالیا

---

[1] ال کو تین طرح سے پڑھا جا سکتا ہے، ... اَل ہم نے ایسا ہی پڑھا ہے، ... اِل یعنی نک ایسا کسی نے نہین پڑھا ہے ... اِیل (خدا) نصرانی مترجمون نے ایسا ہی پڑھکر اس کا ترجمہ کیا ہے "خدا اسرائیل کا معبود" ایک پتھر کو یہ نام دینے مین بو ئے شرک آتی ہے،

لا = نہین

یعشہ = کیا تھا اس نے (تکوین ۳۴: ۷)

سنگ شبام

۱۹۳۲ء مین مسز تھیوڈ ور بنٹ نے اپنے شوہر کے ساتھ وادی حضر موت کے ایک شہر شبام کی زیارت کی، وہ فرماتی ہین کہ

"۲۵ جنوری کو ہم شبام کو روانہ ہوئے، یہ مقام القطن سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے، اور وادی حضر موت کے بڑے شہرون مین سے ہے ...... قدیم عرب مؤلفین ہم کو بتاتے ہین کہ اس مقام مین بنو حمیر عیسوی سنہ کے آغاز مین مشہور ہوئے لیکن ہم کو یہان اس سے زیادہ قدامت کا ثبوت ایک مہر کی شکل مین اور ایک دوسرے کتبہ کی شکل مین ملا، جس کے اندر شبام کا نام ہے، اور جس کا زمانہ یقیناً تیسری صدی قبل مسیح ہے، (سدرن عربیا ص ۱۴۲ و ص ۱۴۳)

افسوس ہے کہ موصوفہ نے اس کی وجہ نہین بتائی کہ انھون نے کیون اس کو ۳۰۰ ق م کا کتبہ قرار دیا، یہ دوسرا کتبہ ایک مذبح ہے، اس کے وسط مین خون کے جمع ہونے کا ایک حوض ہے، ایک طرف ایک نالی ہے، جس پر جانور ذبح ہوتا تھا، ایک حاشیہ پر ایک سطر منقوش ہے،

1ሰПΦOH ДП3 ꟼH1 1 ሰ≺Ⴤ01ДДሰ3H

ذ شکم ماعص اَل اذی شبلم ذعوبا

یہ سطر خون کی نالی پر ختم ہوتی ہے، دوسرے حاشیہ پر خون کی نالی کے پاس حسب ذیل عبارت منقوش ہے،

ꟼ1Дሰ ꟼH1ꞦOY Д1ሰД01ꟼꟼꟼꟼ 01ሰ...

... نشا و قنینا عمر سلم هعنا ذی سمای

1ꟼꟼሰOꟼꟼꟼДOꟼ11Д WWꟼꟼꟼ ≺Y XH1>

ماذت ش نحن ششمال نعم نصی عصینا

الفاظ کتبہ | آل (یمنی) عمد (قوم) ھعنا (تجدید کیا) شش (چھ) کے معانی عبرانی لغت سے معلوم ہوئے، شکم، سلم (شالم) جو توراتی اسماء میں شبام بھی نام ہے، ما (نہیں) عھر (زناکی) نسا (عورتیں) ذو اوذوی (صاحب) نحن (ہم) مائہ (سو) نعمو (انعام) نصیلہ (بچایا) (عصینا (تلوار سے کاٹا ہم نے متوارف عربی کے الفاظ ہیں، قنیت الجاریة کے معنی ہیں لڑکی شادی کے قابل ہوگئی، اس لئے پردہ میں بٹھا دی گئی، اسی قنی کو مشتق مانا جاسکتا ہے، راذت کے معنی نہ عربی لغت سے معلوم ہوئے، نہ عبرانی سے، دوسری سامی زبانوں کا کوئی لغت میرے سامنے نہیں ہے، چونکہ اس میں خطا کی قربانی کا ذکر ہے، جو خطا معاف کرانے کی غرض سے کی جاتی تھی، اس لئے قیاس کہتا ہے، کہ راذت کے معنی ہیں خطا معاف کر،

ذعوبسا جان کا لفظ ہے بابلی اور مصری کتبات میں سبا اور سس فارسی ضمیر ش کا مرادف ہے، ذعوب کو ہم داعب کی قدیم شکل باور کر سکتے ہیں،

عربوں میں ایک کھیل نہایت قدیم زمانہ سے جاری تھا، جسے طبنہ کہتے تھے، غالبًا ذعوبسا لکھ کر اسی قسم کے کھیل کا ذکر ہے، ایلہ کے ایک کتبہ میں جس کی ابھی صرف چند سطریں حل کرسکا ہوں آخر میں لکھا ہے،

"وآمنتا شیمنی - وآمنتا حیونا وموتنا شکذا خلقا کطبن"

چونکہ ابھی پورا کتبہ حل نہیں ہوا ہے، اس لئے نہیں کہ سکتا کہ (آمنتا) عربی صیغہ آمنّا (وہ دونوں ایمان لائیں) یا عبرانی صیغہ سبقتا (سبقت) جیسا کہ اس وقت صیغہ واحد حاضر قرار دیکر اس کا ترجمہ کرتا ہوں،

ایمان لائے تو تقدیر پر اور ایمان لائے تو کہ ہماری زندگی اور موت، دو کھلاڑی جن کی خلقت طبن کی سی ہے،

کھلاڑی کے لئے شکذا کا لفظ ہے، جسے ہم شاگزان (دو دانگی کر دوڑنے والے) سمجھ سکتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ طبنہ کے کھیل میں ایک دوسرے کو چھو دینے کی کوشش کرتا تھا، طبنہ ایک گول دائرہ ہوتا تھا، جوہری کا بیان ہے کہ اسے فارسی میں سہ درہ کہتے تھے اسی لئے اس دائرہ کی شکل ایسی ○ فرض کی جاسکتی ہے اس کھیل کو رحی (چکی) بھی کہتے تھے، اس سے ظاہر ہے کہ لڑکے اس دائرہ کے گرد اس طرح کھیلتے تھے، جیسے کہ چکی کا پاٹ گھوم رہا ہو،

طبن کے معنی گڈھے میں راکھ تلے آگ دفن کرنا بھی ہیں، جس شخص کو طابن چھو دیتا وہ مطبون یعنی طبنہ کے اندر قید ہو جاتا تھا، یہ کھیل زیادہ تر لڑکیاں ہی آپس میں کھیلتی تھیں،

یبتن یلعبن حوالی الطبن

کبھی کبھی لڑکیوں کے ساتھ لڑکے بھی اس کھیل میں شریک ہو جاتے تھے، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے :-

تل کلت بعل ی والھتھا الطبن

ونحن نعل و بالخبار والجرن

میرے بعد اوس نے کسی اور کو میر نہ ہونے دیا، حالانکہ وہ طبنہ کھیلتی رہی اور ہم سب نرم وسخت زمین میں دوڑتے رہے،

کنواری لڑکیوں کے ساتھ جب کنوارے لڑکے اس کھیل میں شریک ہو جاتے، تو یہی کھیل نکاح اور مستقل اتحاد کی تمہید بن جاتا تھا لڑکی جس لڑکے کو پسند کر لیتی، اس کو چھوڑ کر سب کے لئے دلہن بن جاتی، طبانۃ کے معنی ہیں کہ

ان ینظر الرجل الی حلیلتہ فامّا — مرد اپنی بی بی کو غور کر دیکھے پھر اسے یا

ان یحظل واما ان یغضب — تو باہر نہ نکلنے دے، یا خفا ہو جائے،

اس سے معلوم ہوا کہ ہوتا یہ تھا کہ لڑکی کو جب لڑکا چھوڑ دیتا تو وہ طبنہ کے اندر قید ہو جاتی اور موقع پاکر تین دروازوں میں سے کسی سے باہر نکل جانے کی کوشش کرتی، لڑکا فوراً دروازہ پہنچ کر اسے غریبتا، اگر وہ اس کا منظور نظر ہوتا تو وہ باہر نکلنے سے باز رہتی گویا اس کی حکومت اپنے اوپر تسلیم کر لیتی، وہ و کلہ (بے سری) بن جاتی اور اسے فریب دیکر باہر آجاتی، شاعر نے جو یہ کہا کہ میرے جسدہ و کلہ بن گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کسی اور کی ہونا پسند نہیں کیا،

اس کھیل میں عموماً ایسا ہوتا کہ لڑکا ایک خاص لڑکی کے لئے طبنہ کھیلتا تھا، اور اسی کو جیتنے کے لئے چن لیتا تھا، اسی طرح لڑکی ایک خاص لڑکے کو اس کے مقابل ہارنے کے لئے چن لیتی تھی، اس طرح کھیل ہی کھیل میں دونوں میاں بیوی بن جاتے تھے، اسی کھیل میں کسی لڑکے کا کسی لڑکی کو بار بار جیت لینا گویا فریقین کے بزرگانِ خاندان کو یہ مشورہ دینا تھا کہ ہم دونوں کی شادی کر دی جائے پست درجہ کے لوگوں میں یہ کھیل ہی گویا شادی تھا،

طبن لها فجاءت بولد،   اس کے لئے کھیلا پھر اس نے ایک لڑکا جنا،

اس کھیل میں لڑکے کے کسی لڑکی کو جیتنے کی خبر جیسا کہ ایلہ کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے "تلکزہا" کھنکر دی جاتی تھی، صراح میں ہے کہ "شلکز" (ربع ث ص ۲) انگشت خلانیدن و بزبان رنجانیدن و نیزہ زدن و جماع کردن"،

"ذعوبیا" کا کرکا تب نے اگر اسی کھیل کا ذکر کیا ہے، اور یقیناً اسی کا ذکر کیا ہے تو لفظ نسا کے پہلے کوئی ایسا لفظ تھا جس کے معنی تھے، "دوا زھی بولیں"،

ترجمہ | اب کتبہ کا ترجمہ پڑھئے،

"صاحب شکم نے زنا نہیں کی شبام کو نہیں ستایا، اس کو کھیل میں جیتا، "دوا زھی بولیں عورتیں اور لڑکیاں، باشندگانِ سلم نے آسمان کے خدا کو ناخوش کر دیا، خدا معاف کرے جو رکی، ہم نے

۲ سو جانور چیدہ قربان کئے،

تورات اور کتبے کا مقابلہ | دیکھو اس کتبہ کا مفہوم توراتی قصہ سے کتنا گہرا تعلق رکھتا ہے تکوین ۳۴: ۲ میں شکم پر حضرت دینہ کی بابت الزام ہے کہ

ویقح اوتاہ ویشکب اوتاہ،   اسے لیا اور اس کے ساتھ سویا،

یہ کتبہ اس کی تردید کرتا ہے، اور کہتا ہے،

ذو شکم ماعهر   صاحب شکم نے زنا نہیں کی

اس تردید کی تصدیق تکوین ۳۴: ۷ کا یہ نقرہ کرتا ہے،

وکین لا یعشه   ایسا اس نے نہیں کیا،

تکوین ۳۴: ۲ میں ہے کہ

ولعنه،   اور اسے ستایا،

یہ کتبہ اس کی تردید کرتا ہے، اور کہتا ہے،

ال اذی شبم   شبام کو نہیں ستایا،

تورات کے مقابلہ سے معلوم ہو گیا کہ شبام حضرت دینہ کا لقب ہے، شبام ایک گھاس ہے جس سے مہندی کے رنگ کو تشبیہ دی جاتی ہے، حضرت یعقوب کے بھائی حضرت عیسو کو ادوم (سرخ) کہا جاتا تھا، ادوم کی بھتیجی اور حمود (سرخ) کی بہو کا شبام (سرخ) کہلانا کوئی حیرتناک بات نہیں ہے،

تورات کے غیر مکذوب اور صحیح جزو نے ہم کو یہ خبر تو دی کہ دینہ اور شکم کی بابت ایک بری خبر حضرت یعقوب کے کانوں تک پہنچی جو غلط تھی، لیکن اس خبر کی بنیاد نہیں معلوم ہوئی، یہ کتبہ حقیقت واقعہ بتاتا ہے کہ دونوں ایک کھیل کھیلے جس میں شکم نے شبام کو جیت لیا، اور دونوں آپس کی آزادمرضی سے کھیل ہی میں میاں اور بیوی بن گئے، شرفاء کے دستور کے مطابق صرف والد شکم اور والد شبام کی توثیق

کی کسر باقی رہ گئی تھی جو توراۃ کے بیان کے مطابق پوری ہو گئی،

شکم اور شبام میں سے ایک یا دونوں خدا کی نظر میں ایسے محبوب تھے کہ کھیل کے نتیجہ کی خبر دو ادعمی الفاظ میں مشہور کرنے کی وجہ تو آسمان کا خدا سلم (شالم) کے باشندوں سے ناراض ہو گیا توراۃ کے بیان کے مطابق شمعون اور لاوی کو غصہ آ گیا تھا، ممکن ہے انہی پیغمبرزادوں کی ناراضی کو خدا کی ناراضی کا قرینہ قرار دیا گیا ہو،

اس کتبہ کی روشنی میں توراۃ کو پڑھئے پورا قصہ یوں تھا کہ حضرت دینہ شہر شالم کی لڑکیوں سے ملنے گئیں، شکم نے ان کو اور انھوں نے شکم کو دیکھا، دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کیا، حضرت یعقوب اور حمور حمدی کو ایک دوسرے کی پسند سے باخبر کرنے کے لئے دونوں نے طبنہ کے کھیل کا انتظام کیا، اس کھیل میں جان بوجھ کر جناب دینہ نے شکم کو موقع دیا کہ وہ ان کو جیت لے، چنانچہ اس نے ان کو جیت کر کھیل والے گھروندے میں بند کر دیا، اس کی اطلاع حضرت یعقوبؑ کو ایسے الفاظ میں پہنچی، جو عربی لفظ "سکز" ہا، جیسا دوار بھی تھا، حضرت یعقوبؑ اصل حقیقت سمجھ گئے، اور اپنے لڑکوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے، اور کچھ نہیں کہا، حمور کے کان میں یہ خبر پہنچی، تو اپنے لڑکے کو لیکر حضرت یعقوبؑ کے پاس آیا، لیکن حضرت یعقوبؑ کے بیٹے شمعون و لاوی نے حقیقت ماجرا کو نہیں سمجھا، غصہ میں آکر ایک آدمی اور ایک بیل کا خون کر دیا، غالباً آدمی وہ ہو گا جس نے اُن کو اس واقعہ کی برے الفاظ میں خبر دی تھی، حضرت یعقوبؑ نے اپنے فرزندوں کو اس جلد بازی پر ملامت کی، اور بشرط ختنہ نکاح منظور کیا، لوگوں نے شکم کے سمجھانے سے ملت ابراہیم قبول کی، اور ہر شخص نے اپنا اپنا ختنہ کرایا، ختنہ کیساتھ قربانی کا بھی رواج تھا، اور بہت لوگوں نے ۲۰۰ جانور بطور خطا کی قربانی کے ذبح کئے اور شبام و شکم کی پاک دامنی کو مستقل ثبوت مہیا کرنے کے لئے اس بات کو اختصار کے ساتھ پتھر پر منقوش کر دیا،

زمانۂ تحریر مسٹر جیمورو و بنٹ نے اگر اس کتبہ میں شبام کے علاوہ کچھ اور بھی پڑھا ہوتا، اور

اس کتبہ کے مضمون کا توراۃ سے مقابلہ کیا ہوتا، تو وہ اس کا زمانۂ تحریر سنہ ۳۰۰ ق م قرار نہ دیتیں، بلکہ اس کتبہ کی بنا پر یہ بھی کہتیں کہ یورپین قیاس بازوں کا یہ کہنا بے جا ہے، کہ

"سبائی نقوش فنیقی سے ماخوذ ہیں، فنیقی حروف کی قدامت سنہ ۱۱۰۰ ق م پہنچی ہے، سبائی تحریروں کی قدامت سنہ ۸۰۰ ق م تک قرار دینا بے خطر ہو گا" (عرب قبل محمد ص ۵۹)

اس کتبہ کا زمانۂ تحریر حضرت یعقوب کے ورود مصر سے پہلے باور کیا جا سکتا ہے، حضرت سلیمان کے زمانے (۴۸۰ + ۴۳۰) ۹۱۰ برس پہلے یعنی سنہ ۱۹۱۵ ق م یا اس سے دس بیس برس پہلے کو اس کتبہ کا زمانۂ تحریر قرار دینا چاہئے،

زبان کتبہ کتبہ کی زبان عبرانی نہیں معلوم ہوتی، حجازی عربی سے بہت مشابہ ہے، یمن کے جو کتبات پڑھے گئے ہیں، اُن سے اُس کی زبان زیادہ صاف ہے، یہ قدیم حمیری ہے، جس میں ابھی حبشی اور ارامی الفاظ کی آمیزش نہیں ہوئی تھی، ہم جس عبرانی سے واقف ہیں، وہ تورانی عبرانی ہے، جس پر مصری زبان کا نیز بابلی بولی کا اور ایک حد تک لاطینی کا کافی اثر ہے، اس میں صرف ذعو بسا کی ضمیر واحد مونث غائب بابلی اور مصری سے اثر پذیری ظاہر کرتی ہے، جس زمانہ کا یہ کتبہ ہے ان دنوں شام کے میں تین قومیں باقاعدہ برسرپیکار تھیں (۱) اہل بابل جن کے حملہ کا حضرت ابراہیمؑ کے تذکرہ میں بیان آیا ہے (۲) ہنو حورا اور اُن کے خلفا جن کو شاہان بابل نے شکست دی، (۳) اہل مصر جن کو حضرت موسیٰؑ سے پہلے آثار مصر کی شہادت اور بعض قرآنی آیات کے اشاروں کے مطابق ہم اس دیار پر جو بنی اسرائیل کو بطور میراث ملا، فرماں روا پاتے ہیں، ہنو حورا اور اُن کے خلفاء کو حضرت یعقوبؑ کے زمانہ کے بعد تاریخ عرب کے اندر ہم عرب کے مختلف حصوں میں آباد دیکھتے ہیں، اس لئے اس کتبہ کی زبان کا عہد قرآن کی حجازی عربی اور عبرانی کا آمیزہ ہونا حیرتناک نہیں ہے،

شالم و شکم اب سوال یہ ہے کہ کتبہ تو مل گیا، اس شہر میں جس کا نام پہلے شالم تھا، پھر شکم ہوا،

پھر ناعس کہا جانے لگا، پھر یہ یمن مین کیون ملا، اس سوال کا جواب ہم کو شام و یمن کے تعلقات ...... کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالنے سے مل سکتا ہے،

حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ مین دیار شام کے اندر جو قومین آباد تھین، اُن مین دس کے نام تکوین ۱۵: ۱۹ و ۲۰ مین مذکور ہین، چار اقوام کے نام تقویم ۲:۱، ۵ و ۶ مین مذکور ہین، حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے حضرت یعقوبؑ کے زمانہ تک اس دیار مین جو قومین آباد تھین، حضرت موسیٰؑ جب اس دیار مین آئے تو ان چودہ مین سے آٹھ کو موجود پایا، غائب شدہ چھ مین سے تین کا ذکر توراۃ مین نہین ہے کہ وہ کیا ہوئین، ان اقوام کا قرآن کریم نے المؤتفکات (الٹی پلٹی بستیون) کے نام سے ذکر کیا ہے، باقی تین اقوام کی بابت توراۃ مین ہے کہ

۱- حوریون کو بنو عیسو نے ان کے دیار سے نکال دیا (مثنیٰ ۲: ۱۲)

۲- ایمیم کو بنو موآب نے ان کے دیار سے نکال دیا، (مثنیٰ ۲: ۱۰)

۳- زمزمیم کو بنو عمون نے ان کے دیار سے نکال دیا (مثنیٰ ۲: ۲۰)

یہ سب کچھ بنو اسرائیل کے مصر سے واپس آنے کے پہلے کا واقعہ ہے، زمزمیم کا نام چاہ زمزم کے نام سے بہت مشابہ ہے، سفر تثنیہ مین توان کا یہ نام ہے، بنو عمون ان کو زمزمیم کہتے تھے، لیکن سفر تکوین مین ان کا نام زوزیم ہے، اور مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ مین ان کو کدرلاعمر وغیرہ بادشاہون نے اُن کے ہام مین مارا (تکوین ۱۴: ۵) ہام ان کے شہر یا علاقہ کا نام تھا، باشندۂ ہام کی عبرانی جرہام ہوتی ہے،

اب تاریخ مکہ مین دیکھو، نابت بن اسماعیل کے بعد مکہ مین زمزم کے پاس جرہم ملین گے، جو اپنا نسب قحطانی یعنی توراتی یقطان تک پہنچاتے تھے، بنو قحطان کی ایک شاخ ہام مین جا بسی، جرہام کہلائی، پھر زمزم کے پاس آ بسی، اس لئے عمونیون کی زبان پر زمزمیم کہلائی،

ایمیم: تاریخ عرب کی تباہ شدہ قوم امیم تھے جو جنوبی عرب کے شرقی حصہ مین آباد تھے،

حوریم کے قبائل مین سے ایک کا توراتی نام بنو حمور ابی سکم ہے، حضرت یعقوبؑ وغیرہ جب مصر جانے لگے، تو ان کے ساتھ بنو سکم بن حمور مصر چلے گئے، باقی بنو حمور یہین رہ گئے، حضرت موسیٰؑ کے خروج سے بہت پہلے بنو عیسو اور بنو حمور وغیرہ دوسرے حوریون سے جنگ ہوئی، اور وہ اس دیار سے نکلے، اسی قوم کو بعد مین ہم حمیر اصغر کے نام سے یمن کے اندر آباد پاتے ہین، بنو حورین سے ایک شخص یا ایک خاندان کا نام توراۃ مین ہم کو حمدان ملتا ہے، (تکوین ۳۶: ۲۶) اس قوم کو ہم بنو ہمدان کی شکل مین یمن کے اندر آباد دیکھتے ہین،

بنو عیسو نے جب حوریون کو ملک بدر کیا، تو خود بنو عیسو کے بعض قبائل نے بنو حور کا ساتھ دیا، حضرت ایوبؑ بنو عیسو سے تھے، ان کی بیٹی کا نام یمامہ تھا، جس کی نسل نے یمامہ کو اسکا نام دیا، حضرت عیسو کے ایک پوتے کا نام تھا تیمن بن الیفز- اس نام کا ترجمہ ہے الیفز کا بیٹا یمن کو روانہ ہوا،

تیمن کی ماں کا نام تمنع تھا، جو لوطان حوری کی بہن تھی، (تکوین ۳۶: ۲۱) بطلمی نے اس نام کے ایک شہر کا یہودیہ کے ساحلی شہر غازہ سے ۴۴۳۶ میل یا اونٹون کی رفتار سے ۶۵ میل کی مسافت پر حضرموت کے مغرب مین پتہ دیا ہے،

زیر بحث کتبہ جس مقام پر ملا، وہ اب تو شبام کہلاتا ہے، لیکن یہ مقام بعینہ وہی جگہ ہے، جس کا نام بطلمی کے زمانہ مین تمنع تھا، اس کتبہ کے ساتھ جو مہر ملی، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر تھیوڈور بنٹ نے لکھا ہے،

"یہ مہر خاص طور پر دلچسپ ہے، اس پر یہ محل رئیس شبام کا نام کندہ ہے، ہالیوی نے جو کتبات شائع کئے ہین، ان مین اس نام کے دو شخصون اور اس خاندان کے کئی افراد کے نام شاہان جبانتی کے ماتحت رئیسون کی حیثیت سے ملتے ہین، جبانتی کا پایۂ تخت بطلمی کے بیان کے مطابق تمنع تھا، اس مہر سے قدیم جغرافیہ نویس کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ تمنع جبانتی کا پایۂ تخت تھا، جبانتی ایک حمیری قبیلہ تھا جو حضرموت کے مغرب مین بستا تھا"

یرحل کے نام پر غور کرو بالکل یروشلم جیسا نام ہے، جس کے معنی ہین "جوار سلامتی" جس طرح ہندوستانی شہرون کے نام پراگ، اجودھیا، کاشی، اور متھرا اشخاص کے نام بھی ہوتے ہین، اسی طرح مقامات کے نام عرب مین بھی شخصون اور قومون کے نام بن جاتے تھے، یرحل (سحل کا جوار) پہلے شخص کا نام نہین بلکہ شہر کا نام تھا، سحل کے نام کی عربی شکل ۔۔۔۔ سحول ہے، یہ ایک قبیلہ کا نام تھا، جو بنو قطن سے تھا، جن کے نام نے القطن کو اس کا نام دیا، یہ شبام سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ایک شہر کا نام ہے، بنو قطن کو بنو حمیر بن سبا کی اولاد بتایا جاتا ہے، (معجم البلدان)

یمن مین جو دو مین بستی تھین، اُن مین سے ایک کا نام سخیم اور ایک کا نام شبام بتایا جاتا ہے، ایک مقام کا نام شبام سخیم ہے، عربون کی روایت کے مطابق اس شہر مین شبام اور سخیم دو مردون کی نسلین ملی جلی بستی تھین، مگر ہم بتا چکے ہین، کہ شکم کے نام کا دوسرا تلفظ سخم ہے، پس کتبہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شبام اور سخیم دو مختلف قومون کے نام نہ تھے، بلکہ شبام سخیم ایک ہی قوم کا نام تھا، جو شبام زوجہ سخیم کی نسل سے تھی ؛

بنو شکم جو باپون کی طرف سے بنو حمور یعنی بنو حمیر سے تھے، مگر ماؤن کی طرف سے بنو یعقوب بنو یوسف اور بنو نسی تھے، سنہ ۱۲۰۰ ق م کے قریب ابی ملک کے مقابلہ مین جنگ کر کے جب ناکام ہوئے تو ارض اسرائیل سے نکلے، اور بنو تمنع کے پاس آکر آباد ہوئے، بنو تمنع باپون کی طرف سے بنی حمور حوری کے قرابت مند تھے، ماؤن کی طرف سے وہ بنو ابراہیم سے تھے، اس لئے بنو شکم نے ان کے جوار کو پسند کیا اور وہان سے چلے تو اپنے ساتھ یہ مقدس پتھر بھی لیتے آئے،

ارض القرآن حصہ دوم

قرآن مجید کے اندر جن قومون کا ذکر ہے ان مین سے مدین اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ وغیرہ پر تفصیلی مباحث (زیر طبع) "منیجر"

یحییٰ بن آدم اور ان کی کتاب الخراج

از

جناب مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

تصانیف امام نووی نے یحییٰ کی تصنیفات مین صرف کتاب الخراج کا تذکرہ کیا ہی، امام ذہبی نے لکھا ہی کہ "ھُوَصاحب التصانیف" وہ صاحب تصانیف ہین، لیکن انھون نے بھی کتاب الخراج کے علاوہ کسی دوسری کتاب کا تذکرہ[1] نہین کیا ہی، ابن ندیم نے کتاب الخراج کے علاوہ دو اور کتابون کا بھی تذکرہ کیا ہی کتاب الزوال اور کتاب[2] الفرائض، اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ بہت بڑی کتاب ہی، مگر ان مین کتاب الخراج کے علاوہ کسی کتاب کے موجود ہونے کا کوئی علم نہین ہے،

کتاب الخراج بھی اب تک ناپید تھی، لیکن ایک فرانسیسی مستشرق ڈاکٹر جانبول کے ذریعہ چند سال ہوئے کہ سامنے آئی ہی،

ڈاکٹر جانبول کو کتاب الخراج کا ایک قدیم نسخہ ایم شارل شیفر کے یہان جو پیرس مین علوم مشرقیہ کے صدر ہین ملا، انھون نے بڑی دیدہ ریزی سے اس کی تنقیح کی، اور اس پر فرنچ مین ایک مقدمہ لکھ کر ۱۸۹۶ء مین مطبعہ بریل، لیڈن سے شائع کیا، یہ نسخہ پانچوین صدی کے آخر کا لکھا ہوا ہے، اور اس کی ضخامت ۹۵ صفحات ہے،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۳۲۷ [2] ڈاکٹر جیونبول اور ابوالاشبال دونون مصححین مین سے کسی کی نظر ابن ندیم

کتاب سے صاحبِ نسخہ کے نام کا پتہ نہیں چلتا، لیکن کتاب کی پشت پر انھون نے اپنے شیخ اور اپنے معاصرین کے سماع کی جو یادداشت لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ نسخہ نے ابو عبدالرحمن بن علی البسری سے جو کتاب کے مرتب اور جن پر اس کتاب کی تمام سندین منتہی ہوتی ہین، براہِ راست سماع کیا ہے، شیخ بسری کے سماع کی یادداشت یہ ہے،

سمعت بقراءة محمد بن علی	مین نے محمد بن علی کی قرأت سے اس کتاب
بن مخلد الی آخرہ وسمع ذالک	کو آخر تک سنا ہے، اور میرے علاوہ ابوالقاسم
ابو القاسم علی بن احمد بن البسری	شیخ بسری کے پوتے، اور ان کے لڑکے ابو
النید ابوولدہ ابو عبد اللہ	عبد اللہ اور نوفل وغیرہ نے بھی سماع کیا
الحسین و نوفل بن علی محمد بن علی	ہے، اور یہ سماع محرم ۴۱۶ھ میں ہوا،
الاسائی فی المحرم سنۃ ست عشرۃ	

دوسری یادداشت میں کچھ اپنے ہم عصر سامعین کے نام بھی لکھے ہین اُن کے نام کے ذکر کے بعد لکھتے ہین کہ ان لوگون نے جمادی الاولیٰ ۴۸۲ھ مین سماع کیا ہے، غالباً یہ اختتام سماع کی تاریخ ہے لیکن کہین بھی اپنے سماع کی تاریخ نہین لکھی ہے، کتاب کے ہر حصہ کے شروع مین

اخبرنا الشیخ ابو عبد اللہ البسری شیخ بسری نے ہم سے بیان کیا،

کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا سماع شیخ بسری سے براہِ راست ہے، اور چونکہ ۴۸۲ھ سے پہلے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۷) نہین تھی اسی لئے انھون نے تصنیفات مین صرف کتاب الخراج کا تذکرہ کیا ہے [۹] ابن ندیم مین کتاب الفرائض کے بعد ڈیش ہے، اس کے بعد کبیر الگ ڈیش کے ساتھ لکھا ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو کتابین ہین لیکن مصنف نے اس کو طباعت کی غلطی سمجھ کر کبیر کو کتاب الفرائض کی صفت قرار دے دیا ہے،
[۱۰] اصل مین اس طرح لکھا ہوا ہے کسی مصحح نے اس کے متعلق کچھ کہا بھی نہین ہے لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ اسائی ہے،

انھون نے اپنے یا کسی دوسرے کے سماع کی تاریخ نہین لکھی ہے، اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ ۴۸۲ھ ہی ان کے سماع کی بھی تاریخ ہوگی،

بسری[۱۱] نے اس کتاب کا سماع اپنے شیخ ابو محمد عبد اللہ بن یحیٰی السکری سے ۴۱۶ھ مین کیا تھا سماع کے وقت اُن کی عمر ۱۶ برس سے زائد نہین تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر کی روایات پر پورے طور پر اعتماد نہین کیا جا سکتا، لیکن بسری کی مرویات کو اس درجہ قبولیت حاصل ہوئی کہ ان کی کم عمری اعتماد و اعتبار کے لئے مانع نہین رہی،

ڈاکٹر جانبول نے کتاب کی تصحیح و تحشیہ مین کافی محنت کی تھی لیکن پھر بھی اس مین کچھ نہ کچھ خامیان رہ گئی تھین، اس لئے قاضی ابوالاشبال احمد شاکر مصری نے دوبارہ اس کی تصحیح کی، جہان جہان ڈاکٹر صاحب کی تصحیح مین غلطی تھی، اس کی نشاندہی کی اور دوسرے ماخذون سے ہر مسئلہ کی مراجعت کر کے اس کی تخریج کی، اور یحیٰی بن آدم کے سوانح حیات اور اُن کے شیوخ و تلامذہ کی فہرست کے ساتھ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء مین دوبارہ مطبعہ سلفیہ قاہرہ سے شائع کیا، فجزاہ اللہ احسن الجزاء،

قاضی صاحب نے اس سلسلہ مین سب سے بڑا کام یہ کیا ہے کہ کتاب کے رجال کی پوری تحقیق کی ہے اور اُن کی تعدیل و جرح کے سلسلہ مین جو کچھ کہا گیا ہے اس کو نقل کر دیا ہے علاوہ بریں جو مسائل امام ابو یوسف اور یحیٰی کی کتابون مین مشترک ہین، حاشیہ مین ان کی بھی تصریح کر دی ہے، یہ حاشیہ اپنی افادیت کے لحاظ سے کتاب کی ایک مختصر شرح ہے، لیکن انھون نے یہ نہین لکھا کہ اس کتاب کا کیا درجہ ہے؟ اس کی خصوصیات کیا ہین اور امام ابو یوسف اور یحیٰی کی کتابون مین ... جو ایک ہی موضوع سے متعلق ہین کیا فرق ہے؟

[۱۱] بسری بغداد کے مشہور محدثین مین ہین، ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ مین اُن کی ولادت ہوئی تھی، اور ۴۹۱ھ مین وفات پائی، سمعانی نے ان کا تذکرہ کیا ہے، (ص ۸۰) [۱۲] مثلاً ص ۹۳ و ص ۱۲۲، و ص ۱۲۳ مین اس کی تفصیل موجود ہے،

آیندہ سطرون مین اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے،

یہ پوری کتاب چار حصون مین ہے جن مین ۲۳ ابواب اور ۶۴۰ مسئلے ہین، مؤلف نے صرف دو آخری حصون کی تبویب کی تھی، باقی دو حصون کی تبویب مصحح نے کی ہے، اور اوپر حاشیہ مین عنوانات کی سرخیان قائم کردی ہین،

یحیٰی کی روایات اور ان کے اقوال عام طور پر مشہور ہین، اور تمام متقدم اور متاخر محدثین نے اپنی اپنی کتابون مین ان کو جگہ دی ہے، لیکن بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون وسطیٰ مین ان کی کتاب الخراج کے ساتھ زیادہ اعتنا نہین کیا گیا اور نہ اس کے نسخے زیادہ مروج تھے، چنانچہ امام مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، امام نووی، حافظ ابن حجر، بلاذری وغیرہ نے متعدد جگہ ان کی روایات اور ان کے اقوال اپنی اپنی کتابون مین نقل کئے ہین، لیکن ان مین سے کسی نے بھی کتاب الخراج کا ذکر نہین کیا ہے، اور نہ کہین اس کا حوالہ دیا ہے،

کتاب کی خصوصیت اور امام ابویوسف اور ان کی کتاب مین فرق

(۱) اسلامی مالیات کے جن شعبون کے متعلق قرآن پاک کی آیات یا اشارات موجود ہین، یحیٰی بن آدم نے ہر عنوان کے تحت ان آیات کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد حدیث و آثار سے استدلال کیا ہے، مثلاً فئی، غنیمت، تجارت، زراعت، صدقات، ما یکرہ فی الصدقہ، جذاذ و حصاد وغیرہ کے سلسلہ مین اس کی تفصیل مل سکتی ہے،

(۲) طریقہ تصنیف محدثانہ ہے، یعنی ہر مسئلہ مین انھون نے اپنے شیوخ یا تابعین کے اقوال یا پھر صحابہ کے آثار، یا احادیث نبوی کا تذکرہ کیا ہے، اور خود اپنی رائے پوری کتاب مین مشکل سے دو چار جگہ دی ہے،

(۳) فقہ مین کسی خاص مسلک کے پابند نہین تھے، لیکن پھر بھی انھون نے متعدد جگہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی رائے سے اختلاف کیا ہے، اور اس کے بعد محدثین کی رائے کو پیش کرکے اس کو ترجیح دی ہے، اگرچہ جہان بھی اختلاف کیا ہے، وہان امام صاحب کا نام نہین لیا ہے، بلکہ بعض وغیرہ کا لفظ استعمال کیا ہے،

مثلاً اس مسئلہ مین کہ اگر کوئی اس پرتی زمین کو آباد کرنا چاہے تو وہ کرسکتا ہے یا نہین، دوسرے ائمہ کی رائے ہے کہ اس کو اختیار ہے کہ وہ آباد کرلے اور وہ اس زمین کا مالک ہوگا، خود امام ابویوسف اور امام محمد کی رائے بھی یہی ہے، لیکن امام صاحب کے نزدیک اس مین امام کی اجازت کی ضرورت ہے، فریقین کے اقوال ذکر کرنے کے بعد یحیٰی نے دوسرے ائمہ کے اقوال کی تائید مین یہ حدیث ذکر کی ہے:

من احیا ارضا میتۃ فی غیر حق	جو کسی ایسی پرتی زمین کو آباد کرے جو کسی مسلم یا
مسلم و لا معاھد فھی لہ[1] (ص)	معاہد کی نہ ہو تو وہ زمین اس کی ہے،

اس کے بعد لکھا ہے کہ حدیث مین امام سے اجازت کا ذکر نہین ہے، جس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کی رائے ان کے نزدیک صحیح نہین ہے،

بعض جگہ وہ دوسرے ائمہ کی بھی مخالفت کرتے ہین، مثلاً اس مسئلہ مین کہ خراج کی زمین پر دوسرے محاصل عائد کئے جاسکتے ہین یا نہین، ائمہ ثلاثہ کی رائے ہے کہ دوسرے محاصل عشر وغیرہ اس مین لئے جاسکتے ہین، امام صاحب کی رائے ہے کہ خراجی زمین مین خراج کے علاوہ اور کوئی چیز نہین لی جاسکتی، اس مسئلہ مین یحیٰی امام صاحب کے ساتھ ہین، اور فریقین کے استدلالات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہین،

قال جماعۃ من اصحابنا لیس مما	ہمارے اصحاب مین سے بعض لوگون نے کہا
علی الارض الخراج عشر انما	ہے کہ خراب زمین پر عشر نہین ہے، اس پر
علی الارض الخراج و لیس فی	صرف خراج ہے، اور اس زمین کی زراعت
زرعھا و لا فی ثمارھا شئی	اور اس کے پھل مین کوئی محصول نہین ہے،

---

[1] زراعت کے سلسلہ مین آج کل اس قسم کے قوانین روزانہ بنتے رہتے ہین، لیکن اسلام نے آج سے تیرہ سو برس پہلے یہ قانون دنیا کے سامنے پیش کر دیا تھا، لیکن برا ہو تعصب کا کہ اس نے دنیا کو اندھا کر دیا ہے،

لمسلم او لغیرہ (صفحہ ۱۹۷) وہ زمین مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی،

دوسری جگہ اس مسلک کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں "کہ میرے بعض بصری اصحاب کی بھی یہی رائے ہے" (ص ۱۹۷)

زکوٰۃ کے سلسلہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ اگر مختلف قسم کے غلے اتنی تھوڑی مقدار میں پیدا ہوں کہ نصاب زکوٰۃ تک نہ پہنچتے ہوں، لیکن اگر ان سب کو یا ان کی قیمت کو ملا دیا جائے تو وہ نصاب تک پہنچ جاتے ہوں، تو ایسا کرنا چاہئے یا نہیں، امام صاحب تو غلہ میں سرے سے نصاب کے قائل ہی نہیں ہیں، اُن کے نزدیک غلہ کی جتنی مقدار بھی ہو اس میں عشر یا نصف عشر دینا چاہئے، بقیہ ائمہ غلہ کا نصاب پانچ وسق مقرر کرتے ہیں، اس لئے ان کے یہاں یہ سوال اہمیت رکھتا ہے، امام شافعیؒ ایک غلہ کو دوسرے غلہ سے یا اس کی قیمت کو ملا کر عشر ادا کرنے کو جائز نہیں سمجھتے، امام احمد کا خیال ہے کہ ایک دوسرے کو ملا کر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے، امام مالک صرف جو اور گیہوں کو ایک دوسرے سے ملانے کے قائل ہیں، یحییٰ چونکہ مطلق ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانے کے قائل نہیں ہیں، اس لئے انھوں نے امام مالکؒ کے مسلک کو بھی پسند نہیں کیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اصحاب امام مالک نے جو اور گیہوں کو یکساں سمجھا ہے لیکن یہ بھی جائز نہیں ہے، یہی مسلک امام شافعیؒ نے اختیار کیا، اور بعد میں یہ انہی کی طرف منسوب ہو گیا،

۴- کتاب میں بعض ایسی روایتیں بھی ہیں، جن میں مصنف منفرد ہیں، مثلاً یہ روایت

من احیا ارضا میتۃ فھی لہ و لیس لعرق ظالم حق (صفحہ ۵) جو پرتی زمین کو آباد کرے، وہ اس کی ہے،

ان الفاظ کے ساتھ کسی نے بھی یہ روایت نہیں کی ہے، ابن حجر نے فتح الباری ج ۵ ص ۱۳ میں یحییٰ کی اس روایت کو نقل کیا ہے، لیکن انھوں نے بھی یحییٰ کے علاوہ کسی دوسرے سلسلۂ سند کا ذکر نہیں کیا ہے،

اسی طرح "بعل والعثری اور الغذی" والی حدیث میں بھی غالباً صاحب کتاب منفرد ہیں، ابن ماجہ نے اس روایت کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، لیکن ان کا سلسلۂ سند بھی یحییٰ ہی پر ختم ہوتا ہے (صفحہ ۱۲۳)

امام ابو یوسف اور یحییٰ کی کتاب میں چند ظاہری اور معنوی فروق یہ ہیں،

(۱) اوپر لکھا جا چکا ہے کہ یحییٰ کی کتاب الخراج کی طرف علماء نے بہت کم اعتنا کیا ہے بخلاف اس کے امام ابو یوسف کی کتاب الخراج کو تمام متقدمین و متاخرین ائمہ کے نزدیک ایک خاص درجہ حاصل رہا ہے اور مشکل سے حدیث و فقہ کی کوئی کتاب اس کتاب کے ذکر سے خالی ہو گی،

(۲) امام ابو یوسف کی کتاب میں ۲۷ ابواب اور یحییٰ کی کتاب میں کل ۴۴ ابواب ہیں اس ظاہری فرق کے علاوہ معنوی حیثیت سے بھی امام ابو یوسف کی کتاب بہت بلند ہے، اس میں ہر عنوان کے تحت جزئیات اور بہت سے مجتہدانہ نکات اور متنوع مسائل ملتے ہیں،

(۳) امام ابو یوسف کی کتاب میں بعض مباحث ضمناً آگئے ہیں لیکن یحییٰ نے ان کے مستقل ابواب قائم کئے ہیں، مثلاً تحجیر، شراب کی تجارت پر ذمیوں سے ٹیکس لینے جذاذ وحصاد یا سبزی میں زکوٰۃ وغیرہ کے مباحث کو امام ابو یوسف نے ضمناً ذکر کیا ہے، لیکن یحییٰ نے ان کے لئے الگ الگ ابواب قائم کئے ہیں،

(۴) امام ابو یوسف کی کتاب میں گو جزئیات اور متنوع مسائل زیادہ ہیں لیکن پوری کتاب تقریباً تمامتر حنفی مسلک کے مسائل تک محدود ہے، اس کے مقابلہ میں یحییٰ کا طریقہ تصنیف محدثانہ ہے، اور وہ ہر عنوان کے تحت مختلف احادیث، آثار اور اقوال نقل کر دیتے ہیں اور خود اس کا فیصلہ بہت کم کرتے ہیں، اس سے یہ فائدہ ہے کہ پڑھنے والے کو ہر موضوع پر خود سوچکر کسی امام کی رائے کو راجح یا مرجوح قرار دینے کا موقع ملتا ہے،

علمی حیثیت سے کتاب میں بعض تسامحات بھی ہیں مثلاً

۱- زکوٰۃ پر بحث کی ہے لیکن زکوٰۃ کے مصرف کے بارے مین کچھ نہین لکھا ہے اور دریاے حاصل کی ہوئی اشیاء کے بارے مین کوئی بحث نہین ہے،

۲- ان کے شیوخ اور سلسلہ سند کے رواۃ مین بہت سے ضعیف اور بعض مجہول اشخاص بھی ہین، مثلاً شیوخ مین محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی، ایوب بن جابر بن سیار، عبد الجبار الزبیدی اُن کو ضعیف کہا گیا ہے، سنان بن ہارون، الصلت بن عبد الرحمٰن، عثمان بن مقسم، عمر بن ہارون، عمرو بن ثابت بن ہرمز، قیس بن الربیع، مفضل بن صدقہ وغیرہ عام رواۃ مین مفلس (ص ۲) جن کا تذکرہ رجال کی کسی کتاب مین نہین ملتا، عبد الرحمٰن القاری (ص ۵۱) کا تذکرہ بھی کسی کتاب مین نہین ہے، اسی طرح محمد بن مساور، عبادہ بن نعمان، ابو علی الصفار وغیرہ کا تذکرہ بھی متداول کتابون مین موجود نہین ہے، اسی طرح ابراہیم بن محمد (ص ۲)، عبد الرحمٰن بن معاویہ (ص ۷۳)، اسماعیل بن ابی سعید (ص ۱۰۴)، ابو حماد (ص ۱۰۵) وغیرہ کو علماء نے ضعیف اور اُن مین سے بعض کو وضاع حدیث تک لکھا ہے،

پوری کتاب مین سیکڑون لغات اور فقرے ایسے ہین، جن کی مکمل تشریح کی ضرورت تھی، ان کے حل کئے بغیر عبارت کا مفہوم واضح نہین ہوتا، ضرورت تھی کہ کتاب کے ساتھ ایسے الفاظ کی ایک فہرست بھی منسلک ہوتی، مثلاً اس اثر

لیس علی عربی ملک   یعنی عربی النسل پر کسی کی ملکیت نہین ہو،

کے نقل کرنے کے بعد یہ جملہ ہے،

ولکنا نقومھم الملۃ خمیس من الا بل کا مطلب بالکل واضح نہین ہوتا، مصنف سے اس آیت "قری ظاہرۃ" کی تشریح کے سلسلہ مین بھی فروگذاشت ہوگئی ہے، گو عام ائمہ تفسیر کی طرح انھون نے بھی اس کی تشریح قری عربیۃ کے لفظ سے کی ہے، مگر انھون نے اس سے ایک خاص

خطۂ زمین مراد لی ہے جو صحیح نہین ہے،

تفسیر ابن کثیر سے ابن عباسؓ کی یہ روایت موجود ہے کہ

ھی قری عربیۃ بین المدینۃ والشام   مدینہ اور شام کے درمیان جو آبادیان ہین

قری ظاھرۃ ای بینۃ واضحۃ یعرفھا المسافرون،   (ترجمہ) وہی قری عربیہ ہین، اس کو ظاہرہ اسلئے کہا گیا ہے کہ ان کو مسافرین عام طور پر

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مخصوص خطہ کا نام نہین ہے، بلکہ مدینہ و شام کے درمیان کی آبادیون کو قری ظاہرہ کہتے ہین، پھر معجم البلدان، کتب لغت، تاریخ وغیرہ مین کوئی مقام اس نام کا نہین ملتا، اس لئے ظاہر ہے کہ مصنف کو اس مین سہو ہوگیا ہے،

تاریخ فقہ اسلامی

مفری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس مین ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے، جس سے جدید فقہ کی ترتیب مین مدد مل سکتی ہے،

قیمت :- عہ

القضاء فی الاسلام

اس مین طریقۂ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن، حدیث اور فقہ کی کتابون سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے، ضخامت: ۳۰۹ صفحے، قیمت :- ۱۲ار

"منیجر"

ارگجہ

(ایک نایاب مخطوطہ)

از

جناب سید عزیز مہدی صاحب بخاری بنگلوری

"فارسی زبان کی شاعری خصوصًا اس کی شاعرانہ صنعتوں کا مذاق ہندوستان سے بالکل اٹھتا جاتا ہے، اور گو اس قسم کی شاعری تصنع سے خالی نہیں ہوتی، لیکن اس کے ادبی کمال ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اس کے کچھ قدیم نمونے یادگار پاستان کی حیثیت سے شائع کئے جاتے ہیں"

(م)

ارگجا ہندی لفظ ہے، اس کے معنی ایک خوشبو مرکب کے ہیں، جو مشک، عنبر، گلاب، صندل، کافور وغیرہ سے بنایا جاتا ہے، آخر کے الف کو ہائے ہوز سے بدل کر اس کو مفرس کر لیا گیا ہے،

نواب حیدر علی خان بہادر بانی سلطنت خداداد سرینگ پٹن کے عہدِ حکومت میں محمد کمال بن نور محمد مہدوی ایک باکمال شاعر گذرے ہیں، اُن کے آباواجداد کا وطن برار تھا، نواب سعادت اللہ خان نواب آرکاٹ کے عہد میں محمد کمال برار سے ارکاٹ آئے، پھر وہان سے سرینگ پٹن آکر یہان سکونت اختیار کر لی، انھون نے ایک بیاض میں بہت سے اولیاء اللہ صوفیائے کرام اور متقدمین شعراء کا فارسی اور دکنی منظوم کلام جمع کیا ہے، اس بیاض کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دکنی شعراء مثلًا ولی، نصرتی، ہاشمی، مومن، یوسف، سراج، ہلطان، عبد اللہ قطب شاہ وغیرہ ریختہ گو شعراء کا بے شمار نایاب کلام موجود ہے،

یہ منظوم کلام مختلف اصناف سخن مثلًا رباعی، مخمس، مثمن، ترجیع بند، مستزاد، وجدیات، قصائد، کبت، دوہرہ، بحر طویل، جھولنا وغیرہ پر مشتمل ہے، کلام کی اس ہیئت مجموعی کے لحاظ سے جامع نے اس بیاض کو ارگجہ کے نام سے موسوم کیا ہے،

مرزا عبد اللہ بیگ ایک ہمعصر شاعر نے اس بیاض پر پینتیس اشعار کا ایک قصیدہ دکنی زبان میں لکھا ہے، مرزا عبد اللہ بیگ نے نفس ارگجہ کی تعریف کے لحاظ سے اس بیاض کے الفاظ فقروں، مصرعوں اور اشعار کو مختلف عطریات اور ان کے خوشبودار اجزائے ترکیبی سے تشبیہ دی ہے، پھر انھون نے اس بیاض کو ایک رنگین چمن قرار دیکر اس کے اشعار کو چمن کے لوازمات یعنی مختلف اقسام کے پھولوں، پھلوں اور اشجار سے تشبیہ دی ہے، الغرض یہ قصیدہ بہت دلچسپ ہے، اس قصیدے کے چھٹے اور ساتویں شعر میں انھون نے اس امر کا اشارہ کیا ہے کہ حافظ محمد کمال نے اس بیاض کو ترتیب دیکر کسی حاکم وقت کو نذر گذرانی تھی، اگرچہ حاکم وقت کے نام کی صراحت نہیں ہے، تاہم قیاس کیا جاتا ہے کہ غالبًا نواب حیدر علی خان بہادر کو نذر گذرانی ہو گی،

اس بیاض کی تقطیع ۶ × ۴، ۱ انچ ہے، اور تقریبًا چھ سو صفحات کی ضخامت رکھتی ہے، اس پر حافظ محمد کمال کی مہر جابجا لگی ہوئی ہے، مہر کے اندر ۱۱۹۱ھ کندہ ہے، جلد چمڑے کی ہے، جو نہایت دلآویز ہے، اسکے دونوں پشتوں کے حاشیہ پر ڈیڑھ یا دو انچ لمبی مہر کا نقش ہے، جس میں لا یمسہ الا المطہرون لکھا ہوا ہے،

مذکورہ بیاض میں سے تھوڑا سا نایاب کلام انتخاب کر کے بغرض اشاعت مرسل ہے، امید ہے کہ جناب ازراہ علم پروری اس کو معارف میں شائع کر کے ممنون فرمائیں گے،

یہ قصیدے جناب یحییٰ نور اللہ المتخلص بہ یحییٰ کے ہیں، جو جامع بیاض حافظ محمد کمال کے فرزند ارشد ہیں، یحییٰ عربی فارسی اور ترکی زبانوں میں خاصی مہارت رکھتے تھے، اور نواب حیدر علی خان بہادر کے عہد کے سرآمد شعرائے وقت سے تھے، انھیں دکنی یعنی ریختہ شاعری میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا، حافظ محمد کمال کے پیر و مرشد بندگی سید یحییٰ تھے، جن کا قیام آرکاٹ میں تھا، اور جن کا انتقال

سنہ ۱۲۳۵ھ میں ہوا ہے، غالباً حافظ صاحب نے اپنے فرزند ارجمند کا نام اپنے پیر و مرشد کے نام پر رکھا ہے، اگرچہ انکی صاحب کی پیدائش اور انتقال کی تاریخ نہیں معلوم ہو سکی، انکے بچپن اور تحصیل علم کے بارے میں بھی معلومات فراہم نہ ہو سکے، البتہ انھوں نے مختلف اشعار میں چند اشارات کئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ...... اپنے والد بزرگوار سے تحصیل علم کی ہے،

مخمس در منقبت شاہ مرداں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

در مصرع اول مرصع

اے نہ رواق خطۂ خضراے زرنگار   وے ہفت طاق قطعۂ غبراے نوبہار
از یک اشارت تو نقش گشت استوار   افروخت شمع ماہ و مہر تابدار

صد لعلہا و گوہر مکنون و شاہوار

مرصع

تحفہ نثار رستہ میش شکرین مذاق   پروانہا ز شمع رخش آتشیں نطاق
دیوانہا ز نور رخش خوشترین رواق   افسانہا ز عشق لبش برترین وثاق

روشن چو کرد خیر رسل سرور کبار

مجنس

صد تحفۂ درود مبارک بآنجناب   بادا ز دل از حرم کبریا نقاب
اے دل بسوی مدحت آنعت شکن شتاب   الہام گر ضیای ذکایش فگند تاب

یعنی علی ولی علی شاہ ذوالفقار

(شیر حق بیاید از توشیح)

شاہ سریر سلطنت داد گستری   یوسف بحسن طلعت اداے برتری

روشن ز لمعہ اش شدہ خورشید خاوری   حاجت رواے ہر دو جہان شد ز صفدری

قدرش قوی و قبلۂ ارباب اقتدار

لاحق تجنیس

اے صاد صفدری شدہ از صولتت صحیح   وے صارم تو صیحۂ روح الامین صحیح
صدق صفاے صفوت تو صاد در صریح   صد دار انشار صفحۂ تو صبح را صریح

صیت صلابت ز صمصامت آشکار

مرصع مجنس

روشن ز ماہتاب کمال تو شمع طور   گلشن ز آب و تاب جمال تو صبح حور
این ز آفتاب جلال تو لمع نور   معدن ز کامیاب مقال تو صبح دور

مخزن ز ماہتاب لآل تو در نثار

معاورد العجز علی الصدر

گیسوے عنبرینش معنبر چو لیل قدر   قدرے فزود مطلع مہرش بصبح فجر
فجرے روان گلاب طرازش بروے صدر   صدرش ز نور قدس خدا روشنی چو بدر

بدرش بہر دادہ ضیاے بیادگار

تجنیس مکرر

زور شک گلشن تو بہ گلنار نارناز   از تیغ روز بانت بکار کارساز
شد پردہ نوات برخسار سار ساز   بر بو شفقت تو ز ادبار باریاز

ز اصحاب مصطفیٰ شدہ ز اخبار یار باز

مصرع اول مقلوب مجنح دوم مقلوب کل و سیوم و چہارم مقلوب بعض و پنجم مقلوب مستوی

ماہی سپہر اوج ہمایون بظل ہما   قندیل عرش شرع ز امن است رہنما
شکر ز شکر شربت بہات ازخوا   رشک بہ تیشکر بفزود اے شہ علا
ران باز جو فزا لب از فرح زاب نار

مقطع معطل

آوردہ روح در دم اول درادرود   دارو دوا دآدم و در داح راودود
آرام روح درارم در دا د و درود   ادراک را دوا رو در درک دیع رود
رودا وہ روح را درا درا د واد

موصل دو حرفی

مرقومہ مدحت کرمش پی ندید شد   موشح بزیب موکب عالی پدید شد
تا یافت بالہ تابش ماہش فرید شد   با فر فرجدلیش چو مومن مرید شد
باشد صریح صدمت نامش ہژبر بساد

موصل سہ حرفی

لعل لبش قلم سطر سلک سیمین کشد   لعل یمن بناصیۂ مہر جبین کشد
کلک قضا بخط خفی نسخ کین کشد   مشک ختن علم بسر تخت چین کشد
شمس ضحی خمش بہ حسن او شمار

مجنس موصل چہار حرفی

لطفش محیط جیبہ نسیم جبینش متین   حلمش نہفت پنجۂ بیضا جبین مبین
چنید نسیم غنچہ شبنم نگین نگین،   بلبل بعشق بسمل تیغش ہمین یمین
گلشن شگفت تختہ فیضش سپہر وار

مجنس موصل پنج حرفی

تنبیہ طلعتش بتبسم نہفتہ یافت   تمکین شعشعہ بتکلم نہفتہ تافت
کیفیت جنبش طلبی شگفتہ تافت   تیغ خشتل ز بخجل شکستہ یافت
بنیش شتم بشہنشاہ کامگار

موصل تمام مصرع

تشبیہ طینتش بہ ختن مشک نے پسند   لعل یمن بہ لعل لبش حلی سیم گند
بے غم جبین گلے ست تختش بسے بلند   فیضش مبین بشعشعہ غلیے قبل (؟) بند
تنگ بہ گنج فیض یقین معطی ہزار

مصرع اول مقطع و دوم موصل دو حرفی و سیوم سہ حرفی و علی ہذا القیاس

دار و درآرزوے درشس دل ز ذوق اد   چرخے برقی بہ تزئیش لبس برپس چو مہ
ہن فیض بخش خضر نسق لطف ہن ہمہ   بینش صبح طلعت سجے بتصفیہ،
منظور مصطفےٰ است بکرم با قتدار

موشح موصل الشفتین کہ بطریق مدو زنگارند

مہر منیر مرکز قت مہی معاد   مظہر مسیح مسجد معمور مستفاد
مغنی مفید مالک ملک ملک مراد   ما را معین مکارم مہرش مبین مراد
مشہور مہر معرکہ مختشم مدار

رقطا

آن صبح نو بفرجدی سپر تحفہ یاب   زائرا بحضرتِ علم قرب ازسیاب (؟)
عبرت ربائے از اثر بوشش شکناب   دیدم نسیم باغ و ہوا ازشک شد خوشاب

نعت منارشِ لب حیران کند ہزار

خیفا

دارد جبین ہر ز فیضش مرادہا   آرد بتخت دہر ز تبئین عمادہا
معمور جیش حلم زبختش سوادہا   آہ شفیق بر ہمہ ضیفی ارادہا

سالار غیب سر در بشیں مدار کار

تجنیسِ خط

اے روشن از جبین مبین شمس سان توئی   دی گلشن زمان زمن چون جنان توئی
شیرین مذاق و ذوق ز خوش چنان توئی   دی معدن امان وامین لعل کان توئی

زین صحن چون چمن گل خندان توئی بہار

واسع الشفتین

اے شہسوار صفِ دلیران اصفہان   سر لشکرِ جنود دلاور غضنفران
سازند سجدہ درگہ او را سخنوران   عالی قدر دلیلِ نکوئی شہ شہان

زینت فضائے تختہ این تازہ لالہ زار

معرب ومخرج

اول مصراع فتحات متوالیہ و ثانی کسرات و ثالث ضمات و رابع تنغوی و خامس نفوی،

او سطح چرخ از حرم غلغلش سرسما   میر بہشت گیر ززیبی ہی منیا

گلشن شگفت خوش گل او چون خوشی   باو سپہر برتری بامنظرش بپا

شایستہ صفدری زسیادت ذو الافتخار

مکرر

بر چرخ از شعاع مہت آنچہ رفت رفت   بر لعل از صفای خطت آنچہ رفت رفت
بر باغ از نسیم رخت آنچہ رفت رفت   بر مشک از شمیم لبت آنچہ رفت رفت

ہم آنچہ رفت رفت سوئے خطۂ تتار

ملمع

ان یلتفت کمالہ بالشرح والکتاب   چندچو مہر روشن و چون آئینہ تباب
ان یتطر غمامہ فی البحر والحباب   اندر کنار نور چہ مہتاب و آفتاب

للارض یجلو نورہ کاللیل والنہار

معنی اول بر دوم و ۲ و بر ۳ و ۳ بر ۴ و ۴ بر ۵ موقوف

آید بدرگہ کرمش آفتاب تا   سازد ز نور انوار او اقتباس یا
صد سجدہ از نیاز گذارد بخاک پا   صدقِ طویت و بر رود بر سپہر تا

بر روشنان چرخ زند کوس افتخار

ترجمہ

کہ دو مصرع اول ترکی، و در سیوم و چہارم معنی اول بفارسی و علیٰ ہذا القیاس

آئی گک کرسدن و غریت یلدزے   یو باقی یول آتلہ آغرش تزے
مہتاب آسمانِ ہدی راست اخترے   رنگ رہی سوار نبرد ی بزودوے

اق کندزی شدہ یقین اسفید چون نہار

سیاق اعداد و معما

دہ چند کرد روشنیش نہ سپہر را　　از ہشت باغ کرد وچو ہر ہفت شش سرا

پنج اصبعش چار عناصر نمود ہ را　　ہر سہ حروف تہجی او دو ہلال را

از تاج زر بسر شدہ یک زاولش (؟) قرار

بیت خواجہ حافظ

افگندہ پر توی تو ضیا بر بہشت و ثبت　　پرہای شاہباز بہ پرواز تست سست

طبعم ز قول خواجہ بصدر تو حیلہ جست　　زانجا کہ پردہ پوشی خلق کریم تست

برقلب ما بخش کہ نقدیست کم عیار

معنی ہر مصرع بہ پنجم موقوف

بارد ز ابر قطرۂ لولوے زر فشان　　بخشد زمین ز معدن خود لعلہا بجان

خیزد ز خاکِ غنچہ درستی شدہ عیان　　آرد ہزار بدرۂ زر صبحِ ز آسمان

قصد عطا اگرچہ کند آن علاوقار

بند ہندی کہ مصرع پنجم فارسی

لالہ کے لب سے لیکے عقیقی کٹوریان　　نرگس کے پھول سو جو کرین قہوہ خوریان

مرغولہ ریز اوس کی تمنا سے ہو قریان　　..... ہو ر بہشت چمن مین ہو حوریان

آرند از و اگرچہ مے ارغوان بکار

حسنِ مقطع

اے قصر جنتش لبا بستہ از ہلال　　وے مہر انورش لبا انور از جلال

بحی بوارقات سخن یافت از کمال[۱]　　از ابر تحقش شدہ سرسبز چون نہال

یارب دوام سایۂ او زر فشان بداد

در مدح حیدر علی بہادر

اے تازگی ز نحمت دین پیمبری را　　وے روشنی ز تیغت خورشید خاوری را

فرمان پذیر گردد این چاردانگ عالم　　بکشی چو از نیامت صمصام صفدری را

عدلت علم کشد چون بر خطۂ کواکب　　از بیخ چرخ کند و طرح ستمگری را

بکشاید از نگینت قلاع ہفت اقلیم　　تیرت کند منبک ستہ سکندری را

تا گشت نافہ زن بوا ز شمیم خلقت　　در خلق شد رواجی این مشک اذفری را

مجموعۂ صنائع برا نسخۂ زبانت　　دیباچہ شود خوش نحو زمخشری را

در جوئبار حسرت غرقے کند سراسر　　رفتار خوشخرامت سرو صنوبری را

زیور طراز گلشن وقتِ تفرج تو　　شوید بآب شبنم رخسار عبہری را

از گفتگوے تازی شعر ستایش تو　　آرد بیاد خاطر اشعار انوری را

شیرازۂ شفق را صحاف چرخ بندد　　بر صفحۂ بیاض وصف تو زیوری را

اے کامیاب مطلب امداد غوث اقطاب　　خندیمانی آمد بازوے برتری را

چلہ نشین گردون پر کرد ز و الکتاب　　بر دو در رایت تو تعویذ یاوری را

از فیض بخشی تو عالم شود تونگر　　بکشاید از بدرہ دینار جعفری را

ریزی چو گنج جوہر بر جندیان بہ دل　　ہم چون صدف شہ و داوُ ستا برازری را

---

[۱] اس آخری بند کے تیسرے مصرع مین جو لفظ کمال آیا ہے وہ اُن کے والد کی جانب اشارہ کرتا ہے جن کا اسم گرامی حافظ محمد کمال المتخلص بہ کمال تھا؛

در دار ملک دوران در دادہ دولت تو — در ہر دمے دمادم داد دلاوری را

افواج غیب دایم حامی عسکر تو — نصرت خدات بخشد طرز تہوری را

چو آہوان صحرا بر مدسپا دشمن — یا ہمچو در بیابان بوسے غضنفری را

روز مصاف اعدا از بہر خوردن خون — باشد دہن کشادہ ضرغام اژدری را

بر قلعۂ معرض عزم یورش چو سازی — بیم ہلاکت آمد مریخ و مشتری را

از دست دست تیغت دستان تنگدستان — دستے دہد اگرچہ دست تو داوری را

در بحر خون اعدا از بس بسالت تو — گلگون برق تا زو خواہد شناوری را

اے فیض بخش عالم جم جاہ با تہور — جمشید حشمت آمد افواج سروری را

نواب ذو المناقب حیدر علی بہادر — بفزودہ آب از تو نام بہادری را

ہرچند انتظام مدح مبارک تو — رونق فزا شدہ خوش مرا سخن(؟) دری را

در چار بیت آخر از گفتگوے تازی — ریزم بصحن معنی گنج ہنروری را

یحیٰ لہذہ الشعر اختم علی التحیتہ — قل یا الٰہی اعط من فضلک کثیرا

یا مالک الممالک اجلہ من جلوس — توجہ بالعدالت زین بر سر(؟) برا

نورہ من فیوض ایدلک الٰہی — کالبدر فی الظلام والشمس مستنیرا

کرمہ یا کمرم فتحہ یا مفتح[1]

واعزہ یا معزز وانصرہ یا نصیرا

---

[1] ان نظم کے جن مصرعوں یا الفاظ کی صحت مین شبہہ تھا، ان پر سوالیہ نشان بنا دیا گیا ہے۔

ادبیات

حشر جذبات

از جناب سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری

ہجر میں تیرے میں بے تاب و توان اور سہی — یعنی غم مین مری ہستی کا زیان اور سہی

گل ہین افسردہ، بہاروں سے چمن ہے محروم — ہے یہی رنگ خزان کا تو خزان اور سہی

محرم جلوۂ رنگین دل وارفتہ ہے — یہ تجلی ہے تو وہ جلوہ کنان اور سہی

لب ہین خشک، آنکھ ہے خونناب فشان جب ہی — جذبۂ غم میری صورت سے عیان اور سہی

رنگ عشرت مین تو آہون سے نہ ہوگا کوئی فرق — تیری محفل مین مری ایک فغان اور سہی

اب تو اخفاے محبت کی بھی کوشش ہے فضول — جب ہے صورت سے عیان اشک روان اور سہی

آستان مین ہین تری جذب ہزارون سجدے — مرے سجدے کا وہان ایک نشان اور سہی

یون تو ہین سیکڑون نمک تیری طرف سے لیکن — اس محبت مین ترا وہم و گمان اور سہی

مری صورت سے سمجھنا تو نہ تھا کچھ دشوار — مین نے مانا کہ محبت کی زبان اور سہی

یون تو دلکش ہے ترے وعدۂ رنگین کا فریب — دل کی تسکین کے لئے حسن بیان اور سہی

آشیان جب ہے مرا برق کی زد مین ثاقب

نالۂ غم مرا اک شعلہ فشان اور سہی

بابُ التقریظ والانتقاد

مشکلات القرآن

از جناب مولانا داؤد اکبر صاحب اصلاحی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۰ صفحے، قیمت: عار، پتہ:-

ابو الخیر صاحب مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور ضلع اعظم گڈھ،

یہ مولانا داؤد اکبر اصلاحی کے چند مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں ترجمان القرآن (لاہور) وغیرہ میں شائع ہوئے،

اس مجموعہ میں ۴ مضامین ہیں جن میں سے ۲ کا تعلق قرآن مجید کی اقسام سے ہے ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے مولانا فراہی کی تحریروں سے کافی استفادہ کیا ہے، ایک مضمون سورۂ قمر کی ایک آیت (ولقد یسرنا القرآن) سے متعلق ہے، ایک مضمون سورۂ اعراف کی ایک آیت پر روشنی ڈالتا ہے، ان مضامین پر کوئی خاص تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن تین مضامین سے مجھے تھوڑا اختلاف ہے جس کو ظاہر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، ممکن ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ مولانا داؤد اکبر اگر غور فرمائیں گے تو اپنی رائے سے میری بات کی طرف رجوع کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہ کریں گے،

ذبح بقرہ اور قتل نفس | ذکر بقرہ ۹ تا ۱ میں خدا نے ایک گائے کے ذبح کرنے میں بنو اسرائیل کی ٹال مٹول کا ذکر کیا ہے، پھر بقرہ ۹ : ۱ دم میں ایک قتل نفس کا تذکرہ ہے، عام مفسرین کے نزدیک یہ دونوں قصے ایک ہی واقعہ کی دو کڑیاں ہیں، مفسرین کا بیان ہے کہ ایک قاتل کا سراغ دینے میں لوگوں نے حیلے بہانوں سے

کام لیا، تو ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، اس حکم کی بار بار کے سوال وجواب کے بعد تعمیل کی گئی پھر خدا نے حکم دیا، اور گائے کے لوتھڑوں سے مقتول کو مارا گیا، تو وہ جی اٹھا، اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتا دیا، مولانا کو اس تفسیر کی صحت تسلیم نہیں ہے، اس میں وہ حق بجانب ہیں لیکن ان کا یہ ارشاد نظر ثانی کا محتاج ہے کہ

"بظاہر تو ان ٹکڑوں سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گائے کے گوشت کے ٹکڑے سے حسب حکم مقتول پر ضرب لگائی گئی اور وہ زندہ ہو گیا، (ص ۱۰)

اگر قرآن سے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے تو پھر یہ کہنا جسارت ہے کہ

"لیکن بات یوں نہیں ہے بلکہ (اضربوہ ببعضہا) میں ہ کا مرجع بتاویل مذکر مقتول ہے اور ھا کا مرجع نفس غیر مقتول ہے یعنی جس کسی پر شبہہ ہو اور اس کے قاتل ہونے کی قوی قرائن سے تائید ہوتی ہے، اس سے مقتول پر ضرب لگاؤ یعنی چسپاں کرو، چنانچہ تفتیش ہوئی اور قاتل کا سراغ لگ گیا، ایسا ہوتا تھا کہ یکا یک پوری جماعت بنی اسرائیل جو بمنزلہ ہوتے (مردہ) کے تھی اسے زندگی نصیب ہو گئی، (ص ۱۰)

افسوس ہے کہ صاحب مضمون نے زیر بحث آیتیں یک جا لکھ کر ان کا ترجمہ نہیں کیا ہے، یہ نہیں معلوم کہ (اضربوہ ببعضہا) کو اردو میں وہ کیسے ادا کرتے" مارو اس (مذکر) کو اس (مونث) کے بعض سے کا مطلب نہ معلوم یہ کہاں سے ہو گیا کہ جس پر قاتل ہونے کا شبہہ ہو اس سے مقتول پر ضرب لگاؤ یعنی چسپاں کرو" اس عجیب عبارت کا مفہوم شاید ناظرین سمجھ سکتے ہوں میں تو فہم سے قاصر ہوں،

مولانا فرماتے ہیں کہ "قرآن پاک اور کلام عرب میں اذ مستقل واقعہ کی تعبیر کے لئے آتا ہے (ص ۱۰)

عام خیال کی رو سے ترتیب واقعہ وہ نہ ہونی چاہئے جو پائی جاتی ہے، بلکہ پہلے قتل نفس پھر ذبح بقرہ کا ذکر ہونا چاہئے (ص ۱۲) اذ کے استعمال اور بیان واقعہ کی ترتیب کا اقتضا ہے کہ ذبح بقرہ اور قتل نفس کو دو مستقل واقعہ قرار دیا جائے، اور دونوں کے ذکر کی مصلحت جدا جدا ٹھرائی جائے، (ص) لیکن میری خیال میں مولانا کو اپنی دلیل

کے ان عناصر پر از سرنو غور کرنا چاہئے بقرہ ۲: ۳، مین (واذ نجیناکم) فرما کر پھر ۲: ۴ مین (واذ فرقنا بکم) بول کر ایک ہی واقعہ کی دو کڑیون کا جدا جدا ذکر کیا گیا ہے، واقعہ کے آخری جز کا بیان مین مقدم ہونا کوئی عجیب بات نہین ہے، بقرہ ۶: ۶ کو اگر مولانا کا اصول تسلیم کر لیا جائے، تو (۶: ۷) کے بعد ہونا چاہئے کیونکہ بنی اسرائیل کا گناہ تو (۶: ۷) کے حکم کی تعمیل کے بعد معاف ہوا،

ذبح بقرہ کے حکم کی بابت مولانا نے فرض کیا ہے کہ "یہ خطا کی قربانی ہے" (ص ۱۵) "یہ حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ پوری قوم کی جانب سے گوسالہ پرستی کے گناہ کا کفارہ ہو" (ص ۱۶) لیکن آیت کے سیاق و سباق سے اس مفروضہ کی کوئی گنجایش نہین نکلتی، یہ سچ ہے کہ بنی اسرائیل مین خطا کی معافی کے لئے دعا کرنے رتبت قربانی کا دستور تھا، مگر گئوسالہ پوجا وہ گناہ نہ تھا جو خطا کی قربانی سے معاف ہو جاتا' بقرہ ۶: ۷، اور خروج ۳۲: ۲۶ تا ۲۹ کے مطابق اس گناہ کا کفارہ یہ تھا کہ ۳ ہزار اشخاص جنھون نے گوسالہ کو پوجا تھا قتل کئے گئے،

خطا کی قربانی کے لئے خاص قسم کی بچھیا یا بچھڑے کی تعیین نہ تھی (تثنیہ ۲۱: ۱ تا ۹) کے مطابق آئین تھا کہ جب قتل ثابت ہو جاتا، قاتل کا پتہ نہ لگتا، تو ایک مادہ بچھیا ذبح کی جاتی، اور اس بچھیا پر اپنے اپنے ہاتھ دھو کر لوگ قسم کھاتے تھے کہ ہمارے ہاتھ نے یہ کام نہین کیا ہے، اور نہ ہماری آنکھون نے دیکھا ہے، اس بچھیا کے لئے ضروری تھا کہ اس سے ہنوز کچھ خدمت نہ لی گئی ہو، اور جوئے تلے نہ آئی ہو، اس خصوصیت کو سمجھ کر جب ہم قرآنی الفاظ (لا ذلول تثیر الارض و لا تسقی الحرث) پر غور کرتے ہین، تو صاف نظر آتا ہے، بقرہ ۶: ۸ تا ۱۰ مین اسی تثنیہ ۲۱: ۱ تا ۹ کی بچھیا کا کچھ مزید خصوصیات کے ساتھ ذکر ہے، اور اس لئے میرے نزدیک واقعہ کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص کے قاتل کا سراغ لگانے کی غرض سے بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا، وہ جانتے تھے کہ اس حکم کا مقصد کیا ہے؟ اس لئے ٹال مٹول کی باتین شروع کین کہ ان کے جواب مین ایسی خصوصیات کا اضافہ کیا گیا جن کی بدولت وہ مصر کی زرین معبودہ یا ثور یا حاتحور بن گئی اور تلاش کر کے ذبح

کی گئی، اس واقعہ کے ذکر کے بعد (بقرہ ۶: ۸) مین منقول حکم کی علت خدا نے یہ فرما کر یاد دلائی کہ

واذ قتلتم نفسا فادّارأتم	اور یہ بھی یاد کرو کہ، جب تم نے ایک شخص
فیها والله مخرج ما کنتم	کو مار ڈالا تھا پھر ہر ایک تم مین سے الزام ہانے
تکتمون فقلنا اضربوه	لگا تھا، اور اللہ اس کو ظاہر کر کے رہنے والا
ببعضها،	تھا جسے تم چھپاتے، چنانچہ (وہ ظاہر ہو گیا)
	ہم نے کہا اسے اس کے بعض سے مارو،

اضربوہ کی ضمیر کا مرجع (ماکنتم تکتمون) ہے اور ببعضہا کا مرجع یقیناً بقرہ صفراء ہے اس گائے کے مل جانے پر خواہ مخالفت کی وجہ سے خواہ اس وجہ سے کہ یہی گائے وجہ قتل تھی، معلوم قاتل کی ہستی جس کو چھپایا جا رہا تھا ظاہر ہو گئی خدا نے فرمایا اسے (جسے تم چھپاتے تھے) اس (گائے) کے بعض سے مارو، تلوار سے قصاص لینے کی بجائے گائے کی ہڈیون کے ذریعہ انتقام لیا گیا کیونکہ کیونکہ آئین یہ تھا کہ مقتول جس طرح سے قتل ہوا، تو قاتل کو بھی اسی طرح کی سزا دیجائے، چونکہ یہ آیۃ کا حکم دراصل قصاص کا حکم تھا، اس لئے اس کے بعد خدا نے فرمایا،

وَكَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَ	اور اس طرح (قصاص کے ذریعہ) اللہ مرنے والون
يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ	کو زندہ رکھتا ہے، اور تم کو اپنی آیتین دکھاتا
	ہے تاکہ تم لوگ سمجھو،

اس آیت مین خدا نے کسی متعین مردے کے جی اٹھنے کا نہین بلکہ احیاء موتے کے ایک طریقہ کا ذکر کیا ہے، اس لئے "موتی" سے مراد "من ماتوا" نہین بلکہ (من قضی علیہم الموت) ہے، اور احیاء موتی سے مراد جلانا نہین بلکہ زندہ رکھنا مراد ہے، مردون کا جی اٹھنا کوئی عجیب بات نہین ہے' اگر اس جگہ (فاحیاه الله) ہوتا تو ہم بھی یہ ماننے پر مجبور تھے، کہ مردہ جی اٹھا اور اس نے قاتل کا نام بتا دیا، لیکن قرآن مجید کے الفاظ ایسا نہین بتاتے، بلکہ بتاتے ہین کہ اس طریقہ سے اللہ مرنے والون کو مارے جانے سے بچاتا ہے،

قصہ اسیرانِ بدر | تیسرا مضمون انفال ۹: ۳ تا ۵ پر روشنی ڈالتا ہے، ان آیتون کی عام تفسیر یہ ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے اسیرانِ بدر کی بابت صحابہؓ سے رائے لی، حضرت عمرؓ نے سب کو قتل کر دینے کی رائے دی، حضرت ابوبکرؓ نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا، انکی رائے پر عمل کیا گیا، تو یہ آیتین عام مسلمانون پر عتاب کے لئے نازل ہوئین، اگر تفسیر اسی حد تک ہوتی تو معقول بات تھی، مگر روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ خدا کو حضرت عمرؓ کی رائے پسند تھی، حضرت ابوبکرؓ کی رائے جسے رسول نے پسند کیا تھا، خدا کو پسند نہین تھی، فاضل مضمون نگار نے اس روایتی تفسیر کے ناقابل تسلیم ہونے پر جو دلیلین دی ہین، وہ قوی اور حق بجانب ہین، لیکن خود جو تفسیر کی ہے وہ تسلی بخش نہین ہے، اُن کے نزدیک یہ آیتین یہود کے ایک اعتراض کے جواب مین ہین، ان کے بیان کئے ہوئے مطلب پر اعتراض اور اُن کی رائے سے اختلاف کی وجہین بتانے مین ناظرین کا کافی وقت لینا ہوگا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اختصار کے ساتھ اپنی تفسیر پیش کردون، ان آیتون کے نزول سے پیشتر خدا نے حکم دیا تھا کہ

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ	جب (میدانِ جنگ میں) کافرون سے
الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا	ڈبھیڑ ہو تو گردنین مارنا یہان تک کہ جب
الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً	اُن سے جنگ کر چکو تو مضبوط جکڑ لینا پھر
حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا	یا تو احسان کرنا یا فدیہ لینا، تا آنکہ لڑائی
(محمد ۱:۴)	اپنے اوزار رکھدے،

سورۂ انفال مین اس آیت کی طرف اشارہ موجود ہے، میدان بدر مین کچھ لوگ اسیر ہوئے ان اسیر ہونے والون مین حضرت عباسؓ اور حضرت عقیلؓ وغیرہ بھی تھے، جو لڑنے کو جبراً لائے گئے تھے، ان لوگون نے لڑے بھڑے بغیر اپنے آپ کو اسیر ہو جانے دیا، چاہئے تو یہ تھا کہ ان کو محض احسان و تبرع کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا، لیکن رائے عامہ کے مطابق ان سے فدیہ لیا گیا، اس لئے واقعہ پر عتاب کے لئے

نہین بلکہ آیندہ احتیاط برتنے کی ہدایت دینے کے لئے خدا نے فرمایا،

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى	کسی نبی کے لئے مناسب نہین کہ زمین (یعنی
يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا	میدان جنگ) مین خوب جنگ کرنے سے
وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ	پیشتر اس کے پاس اسیر ہون، تم لوگ دنیا
حَكِيْمٌ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ	کی دولت چاہتے ہو اور خدا آخرت چاہتا
لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ	ہے، اور اللہ عزیز ہے، حکیم ہے، اگر پہلے
عَظِيْمٌ، فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا	سے اللہ کا ایک نوشتہ (محمد ۱:۴) موجود نہ
طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ	ہوتا تو تم نے جو (فدیہ) لیا ہے، اس کی بدولت
رَّحِيْمٌ،	تم کو بڑا عذاب پہنچتا، مگر (اب) کھاؤ
	اس چیز مین سے جو تم کو غنیمت ملی ہے حلال
	(اور) طیب (جان کر) اور (آیندہ) اللہ
	سے ڈرتے رہنا، بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے

اس کے بعد کی آیت مین اسیرون کو تسکین دی گئی ہے، کہ اگر تمھارے قلوب مین خیر ہے تو وہ تم کو اس سے بہتر دے گا، جو تم سے لیا گیا ہے، کتاب من اللہ سبق" کی تعیین کے لئے قرآن کی ورق گردانی کے بدلے اقوال کی جستجو اور "اثخان" کا ترجمہ "جنگ" کی بجائے "خونریزی" سمجھنے سے آیت کا مفہوم جو کسی مزید تشریح کا محتاج نہین ہے دشوار ہو گیا تھا، اس آیت کے سیاق و سباق مین کوئی ایسی آیت نہین ہے جس کی وجہ سے اسے یہود کے کسی اعتراض کا جواب سمجھا جائے، یہ آیت یقیناً مسلمانون کو مخاطب کرتی ہے، فدیہ لینا روا تھا، مگر اس سے بہتر احسان تھا، زیادہ بہتر کام پر مسلمانون نے کم بہتر کو ترجیح دی تھی، اور وجہ ترجیح خیال آخرت نہین، بلکہ دنیاوی مفاد کی محبت تھی، یہ بات مسلمانون کے لئے زیبا

نہین تھی، اسی حقیقت کو بتانے کے لئے یہ آیتین اُترین، ان آیتون کو عتاب سمجھنا کسی طرح بھی ٹھیک نہین ہے، اللہ نے ان آیتون مین قہر و غضب کے اعلان کی بجائے مغفرت و رحمت کا اعلان کیا ہے، مغفرت کا لفظ بتاتا ہو کہ جو ہوا وہ مناسب نہ تھا، لیکن پھر بھی قابل درگذر کام تھا، اگر یہی کام کتاب اللہ کی روا داری سے استدلال کے بغیر بطور خود مفاد دنیا کی خاطر ہوا ہوتا تو یقیناً موجب عذاب ہوتا، یہ تنبیہ ہے نہ کہ عتاب،

ایذاے موسیٰؑ | چوتھا مضمون سورۂ احزاب کی آیت (لا تکونوا کالذین اذوا موسٰی) کی بابت سے فاضل مضمون نگار نے کافی غور سے کام لیا ہے، آیت کے اندر مذکور ایذا کی تعیین مین جو حضرت موسیٰ کو دی گئی تھی، موصوف کو ناکامی ہوئی، اس لئے فیصلہ کیا ہے کہ "نہین کہا جا سکتا، کہ ایذا کی فلان سی نوعیت موسیٰ علیہ السلام کو دکھ دینے کی استعمال کی گئی"، اس فیصلہ کا ان کو یقیناً حق تھا، لیکن شاید ان کا یہ ارشاد اپنی حد سے تجاوز ہی ہوگا کہ جو کچھ بھی اس بابمین کہا جائے گا ظن قیاس سے زیادہ اس کی حیثیت نہ ہو گی،" میرے خیال مین ان کو باور کرنا چاہئے، کہ فوق کل ذی علم علیم ہو سکتا ہے، کہ آیت کے ابتدائی مخاطبون کی طرح اب بھی کسی کو اس خاص اذیت کا علم ہو جس کی طرف خدا نے اشارہ کیا ہی، یہ آیت (یا ایھا الذین امنوا) سے شروع ہوتی ہے عہد نبوت کے مومنین صادقین کی بابت ضرور ہم کو بہت بلند قسم کا حسن ظن رکھنا چاہئے، لیکن اس حسن ظن کو ایسا بھی نہ ہونا چاہئے کہ جن کو خدا نے (الذین امنوا) کہا ان کو ہم بزور تاویل (الذین نافقوا) بنا دین، عہد نبوت مین جو لوگ مسلمان ہوئے وہ اپنے ایمان کی آخری منزل تک بتدریج پہنچے، ایمان و اسلام کے ابتدائی مرحلہ مین ایسے مسلمانون نے جو بعد مین شیخین کی نظیر بن گئے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا حضرت موسیٰؑ کی شان مین کوئی بات ایسی کہہ دی ہو جو مناسب نہ تھی تو اس مین کیا استبعاد ہے؟

حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کے اذیت دینے کا ذکر قرآن کی دو آیتون مین ہے، سورہ صف

مین ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے کہا "لم تؤذوننی" اس آیت کی تفسیر کے لئے کسی معین واقعہ کی تلاش ضروری نہین ہے، قولاً اور فعلاً جو اذیت بھی حضرت موسیٰؑ کو دی گئی تھی اس کو مراد لیا جا سکتا ہو لیکن سورۂ احزاب مین خدا نے مسلمانون سے فرمایا،

لا تکونوا کالذین آذوا موسیٰ	ان جیسے نہ ہو جنھون نے موسیٰ کو اذیت
فبراہ اللہ مما قالوا وکان	دی، پھر اللہ نے موسیٰ کو ان کے قول سے
عند اللہ وجیہا	بری کیا اور وہ اس کے پاس وجیہ تھے،

حضرت موسیٰ کی وجاہت کے برخلاف اُن کی شان مین ایک تکلیف دہ بات کہی گئی جو بالکل غلط تھی، یہ آیت سورہ احزاب مین ہے جس کے اندر حضرت زینبؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی بابت لوگون کی چہ میگوئیان کا جواب ہی ما کان علی النبی من حرج (۵۰۵) سے پتہ چلتا ہو کہ بعض لوگ اس نکاح کو ایام جاہلیت کے دستور کی ترازو پر تولتے تھے، اور اس نکاح کو جائز خیال نہین کرتے تھے، بعینہ اسی طرح ایک زمانہ مین سفر عدد کے بیان کے مطابق

"مریم اور ہارون نے موسیٰ کا شکوہ اس کوشی عورت کی بابت کہا تھا، جو اُس نے لی تھی،
کیونکہ اس نے ایک کوشی عورت لی تھی، ① ..... چنانچہ خداوند نے یہ سنا ⊙ سو خداوند نے
ناگہان موسیٰ کو اور ہارون کو اور مریم کو فرمایا......... ⊙ ...... میرا بندہ موسیٰ ایسا نہین ہو وہ
میرے سارے گھر مین امانت دار ہے، ⊙ ۱۲ باب عدد،

سورۂ احزاب کی آیت مین اسی بات کی طرف اشارہ ہے آیت احزاب مین سفر عدد کے مولف کی اس بیان کی اصلاح بھی کر دی گئی ہو، حضرت موسیٰؑ کی شان مین ایک کوشی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی بابت نامناسب بات کہنے والون مین حضرت ہارونؑ اور ان کی بہن مریم شامل نہین قرآن کے بیان کے مطابق وہ عام بنو اسرائیل تھے جنھون نے نامناسب بات کہی تھی،

اب رہے وہ الفاظ جو حضرت موسیٰؑ کی شان میں کہے گئے وہ نہ تو توراۃ میں مذکور ہیں، اور نہ قرآن میں، اتنا سمجھ لینا ہمارے لئے بس ہے کہ کوشی عورت کے ساتھ نکاح کو تکلیف دہ پیرایہ بیان میں نامناسب بتایا گیا تھا، ٹھیک الفاظ تصنیف کرنے کا ہم کو حق نہیں ہے، حضرت رسول خدا کی شان میں جو الفاظ کہے گئے تھے، ان کی تلاش روایات میں کی جا سکتی ہے، لیکن یہ آپ کی شان میں ہماری گستاخی ہوگی، فہم قرآن کے لئے صرف نوعیت کا علم کافی ہے،

مولانا کے اور مضامین کے اندر بھی کچھ باتیں ایسی ہیں جن سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، ہر دو آدمی کے فہم میں تباین ہونا قدرتی بات ہی، میرے نزدیک ہر اختلاف رائے واجب الاظہار نہیں ہوتا، ان تین مضامین کے متعلق چونکہ میں توقع رکھتا ہوں کہ فاضل مضمون نویس صاحب کو اپنی رائے پر اصرار نہ ہوگا اور وہ غور فرمائیں گے تو میرے مؤید ہو جائیں گے، اس لئے میں نے یہ سطریں لکھیں، باوجود اس کوشش کے کہ تبصرہ مختصر تر ہو، اچھا خاصہ طویل ہو گیا ہے،

بہرحال اس اختلاف رائے کے باوجود فاضل صاحب قلم کو میں یہی رائے دوں گا کہ وہ قرآن پر غور و فکر کا سلسلہ جاری رکھیں اور اس قسم کے مضامین سے لوگوں کو استفادہ کا موقع دیتے رہیں، دل میں اگر تقوی اور خلوص ہے تو یقیناً اُن کو اجر اور پڑھنے والوں کو قرآن فہمی نصیب ہوتی رہیگی،

سیرت سید احمد شہید بریلویؒ

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی استاذ ندوۃ العلماء کی مشہور تالیف جس میں مسلمانوں کے جہاد آزادی اس راہ میں اُن کی قربانیوں اور ہندوستانی مسلمانوں کی تجدید و اصلاح کی مفصل تاریخ بیان کی گئی ہے، قیمت للعہ دار المصنفین سے طلب کیجئے،

"منیجر"

وفیات

مولانا اصغر حسین صاحب مرحوم سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ

از جناب ابو محفوظ الکریم صاحب معصومی

افسوس ہے کہ ۵ ذوالحجہ شب جمعہ کو بوقت نماز عشاء مولانا اصغر حسین بجواوی سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ نے داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون، مرحوم محلہ نبولیہ بہار شریف کے رہنے والے اور صوبہ بہار کے طبقۂ علماء کے فضلاء میں سر تھے معقولات کیساتھ منقولات میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے، حدیث و سنن سے خاص شغف تھا،

طالب علمی میں عسرت کی زندگی بسر کی، آپ کی تعلیم کے ابتدائی مراحل مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں طے ہوئے، امیر شریعت حضرت مولانا سجاد صاحب مرحوم و مغفور سے شرف تلمذ تھا، دار العلوم دیوبند میں تکمیل کی تھی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے مشکوٰۃ علم و عمل سے اقتباس نور کیا تھا، فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ بہار میں درس و تدریس کے مسند پر جلوہ فرما ہوئے یہیں سے مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ گئے اور مولانا حاجی معین الدین ندوی مرحوم کے بعد اس کے پرنسپل ہوئے تقریباً دو برس ہوئے اس سے ریٹائر ہوئے اور اپنے وطن میں تبلیغ دین و تصنیف و تالیف میں مصروف تھے کہ ۵ ذوالحجہ کو سفر آخرت کیا، کُلُّ نفس ذائقۃ الموت، موصوف کی یادگار صرف لڑکیاں ہیں، اولاد ذکور میں کوئی نہیں،

آپ کو تصنیف و تالیف کا بھی ذوق تھا، مدرسہ کے فرائض اور ذمہ داریوں کے باوجود آپ نے جو علمی کام کئے وہ اگرچہ مختصر لیکن مفید و قابل قدر ہیں، سوال و جواب کی شکل میں ترمذی شریف کی ایک مفید شرح لکھی جس کا نام تنزیل الثنوی ہے یہ شرح اگرچہ نامکمل چھپی ہے لیکن اپنے اختصار و جامعیت کی وجہ سے عربی درسگاہوں میں مشہور و متعارف ہے اس کا اردو ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے، سفرنامہ حجاز بھی مرتب کیا تھا جس کا نام ارمغان حجاز ہے اسکی اشاعت بھی ہو چکی ہے فی الحال تفسیر المنار کو اردو کا جامہ پہنا رہے تھے، کہ زندگی کی آخری منزل ہی طے ہو گئی، اس ترجمہ کے بعض اجزاء مثلاً تمہید تفسیر قرآن و مقدمۂ تفسیر قرآن شائع ہو چکے ہیں،

مطبوعات جدیدہ

جب خون بہ رہا تھا: از جناب ابو سعید صاحب بزمی ایم اے، تقطیع چھوٹی ضخامت :- ۵۵ ۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ۶ ۸/ پتہ کتاب منزل کشمیری بازار لاہور،

مصنف اخبار مدینہ کے مشہور اڈیٹر اور مخلص قوم پرور تھے، آزادی ہند کی جد وجہد مین بڑی مصیبتین جھیلین، لیگ کے عروج کے زمانہ مین تحریک پاکستان کے شدید مخالف تھے، پھر کانگریس کے تقسیم ہند کی تجویز مان لینے کے بعد ان کے خیالات بدل گئے، اور وہ پاکستان کے حامی بن گئے، اُن کی عمر کا بڑا حصہ سیاست وصحافت کے میدان مین گذرا، اس لئے ہندوستان کی سیاست کے جملہ نشیب وفراز اور اس کے ہر گوشہ پر اُن کی نگاہ تھی، چنانچہ اس کتاب مین انھون نے پاکستان کے قیام کی تاریخ تحریر کی ہے، اور واقعات سے دکھایا ہے، کہ اس کی ذمہ داری تنہا مسلمانون پر نہین بلکہ ہندوستان کی عام فرقہ وارانہ ذہنیت پر ہے، اس سلسلہ مین تحریک پاکستان کے اسباب، قیام پاکستان کے پہلے کے حالات اس کے بعد جو خونین واقعات پیش آئے، اور لیگ کے لیڈرون کی غلطیون سے جو نقصانات اٹھانا پڑے، اُن کی تفصیل ہے، اور پاکستان کی مخالفت کے خطرناک سیاسی واقتصادی نتائج پاکستانیون کے فرائض اُن کی ذمہ داریون اور پاکستان کے آیندہ نظام پر بحث کی ہے، اور قیام پاکستان کے جو نقصانات ظاہر کئے جاتے ہیں، اُن کی تردید کی ہے، اس کے علاوہ پاکستان کے ماضی، حال

اور مستقبل کے تمام اہم واقعات اور مسائل پر نگاہ ڈالی ہے، مصنف کہنہ مشق صاحب قلم ہین، اس لئے ان خشک سیاسی مباحث مین بھی پوری ادبی شان قائم ہے، مصنف نے ایک مورخ کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کر دیا، اس پر نقد وتبصرہ آیندہ مورخین کا کام ہے، لیکن اب ماضی سے زیادہ حال اور مستقبل پر غور کرنے کی ضرورت ہے، جو کچھ ہونا تھا، وہ ہو چکا، اب دونون حکومتون کی بھلائی اسی مین ہے کہ وہ گذشتہ تلخیون کو فراموش کر کے اتحاد واتفاق کے ساتھ اپنے اپنے ملکون کی ترقی کی کوشش کرین یہی ان کی فلاح کا صحیح راستہ ہے،

Persian Psalms (یعنی زبور عجم کا انگریزی ترجمہ) از آرتھر جے۔ آربری، استاذ عربی کیمبرج یونیورسٹی، ضخامت، ۱۲۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت :- ۴ عہ/ پتہ :- محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور،

کیمبرج یونیورسٹی کے عربی کے پروفیسر ڈاکٹر آرتھر جے۔ آربری، ڈاکٹر اقبال کی شاعری کے بڑے قدر دانون مین ہین، زبور عجم کے انگریزی ترجمہ سے پہلے انھون نے اقبال کی نظم لالہ طور کا بھی انگریزی ترجمہ کیا ہے، زبور عجم مین ان کو بہت سی خوبیان نظر آئین چنانچہ لکھتے ہین:-

"کہ زبور عجم کی غزلون مین بڑی تازگی اور خوبصورتی ہے، ان کے اظہار بیان مین بڑی وسعت اور گہرائی ہے، پڑھنے والے ان مین خیالات وجذبات کی ایک نئی دنیا پاتے ہین، وہ ان مین ایک ایسا عالم دیکھتے ہین، جو امید اور بلند ہمتی سے لبریز ہے، وہ ان مین ایک ایسی دنیا محسوس کرتے ہین، جس مین ایک بڑے مفکر نے اپنے خیالات پیش کر کے یہ بتایا ہے، کہ اس آلام ومصائب کے زمانہ مین ایک نئے زمانہ کی صبح نمودار ہونے والی ہے"!

فاضل مترجم نے ان ہی تاثرات کی بنا پر زبور عجم کا انگریزی ترجمہ شروع کیا، یہ ترجمہ منظوم ہے، کسی نظم کا نظم مین ترجمہ کرنا بہت مشکل کام ہے، کیونکہ منظوم ترجمون مین ایک شاعر

کے معانی و مطالب تو بیان کئے جاسکتے ہین، لیکن اس کی شاعری کے صوری اور لفظی محاسن زائل ہو جاتے ہین، اس لئے عام طور سے اس قسم کی کوشش کامیاب نہین ہوتی، تاہم فاضل مترجم کا بیان ہے کہ ترجمہ مین انھون نے کافی احتیاط مدنظر رکھی ہے، اور ایک غیر زبان مین ترجمہ کی دقتون کو سامنے رکھتے ہوئے حتی الوسع اقبال کے خیالات کی پوری ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے، سب سے پہلے ڈاکٹر نکلسن نے اسرار خودی کا انگریزی مین ترجمہ کرکے اقبال کا فلسفۂ خودی اہلِ مغرب کو سمجھانے کی کوشش کی تھی، امید ہے کہ زیر نظر کے اس انگریزی ترجمہ کے ذریعہ سے وہ اقبال کے دوسرے افکار و تصورات کے سمجھنے کی کوشش کرین گے، اور لائق مترجم کی یہ محنت مشکور ہوگی،

ارمغان آلام از جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر ترقیات صوبہ بہار تقطیع چھوٹی ضخامت: ۱۹۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہین، پتہ: نظامی پریس بدایون،

فاضل مؤلف سیاسیات کے ساتھ علم و ادب کا بھی سنجیدہ اور ستھرا مذاق رکھتے ہین، جس سے اصحابِ علم واقف ہین، قلعہ احمد نگر کی اسیری کی تنہائی مین انھون نے اردو فارسی اور کچھ عربی اور ہندی کے پسندیدہ اشعار کا انتخاب کیا تھا، اور نثر مین بھی اپنے بعض خیالات و تاثرات قلمبند کئے تھے، جس کو نظامی پریس بدایون نے بیاض کے طور پر شائع کر دیا ہے، اس کی تحریر کے وقت اس کی اشاعت کا کوئی خیال نہین تھا، اس لئے اشعار مین کوئی ترتیب نہین ہے، اشعار کی پسند کا تعلق انفرادی ذوق سے ہے، یہ ضروری نہین ہے، کہ ایک شخص کا انتخاب دوسرے کے لئے بھی پسندیدہ ہو، لیکن مجموعی حیثیت سے اس انتخاب مین مصنف کا حسن مذاق نمایان ہے، نثر کا حصہ اگرچہ برائے نام ہے تاہم اس سے بھی مصنف کے افکار و تصورات کا اندازہ ہوتا ہے،
(م)

جلد ۶۴ ماہ صفر المظفر ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۹ء عدد ۶

مضامین

مقالات

ادبیات